ISSN 2320-6519
U.G.C. Approved No.42266 (Ex.)
(PEER REVIEWED JOURNAL)

خصوصی گوشہ
ڈاکٹر دوست محمد خان

سرزمین ولی اورنگ آبادی (دکن) سے جاری ہونے والا معیاری رسالہ

(سہ ماہی)
قارئین کی نیک تمناؤں کے ساتھ

عکس ادب

(اردو)
اورنگ آباد

Quarterly (Urdu)
AKS-E-ADAB
Aurangabad

شمارہ (۵۰) جلد (۱۴) جنوری تا مارچ ۲۰۲۵ء

''یادداشت ایک قسم کی سوچ ہے جو اپنی چھاپ دماغ میں مستقل طور پر چھوڑ جاتی ہے اور وقتِ ضرورت شعور میں واپس آسکتی ہے۔''
(ڈاکٹر دوست محمد خان)

Quaterly Aurangabad
AKS-E-ADAB (Urdu)
email- akseadab@gmail.com
January to March 2025
MAHURD02321/13/1/2012-TC-Declaration Date : 21-09-2012
www.aksadaburdu.com
ISSN 2320-6519
Volume 14 Issue 50
U.G.C. Approved No.42266 (Ex.)

باب العلم کے افتتاح کے موقع پر وزیرِاعلیٰ ولاس راؤ جی دیشمکھ، پدم شری فاطمہ زکریا، پرنسپل ڈاکٹر مظہر محی الدین اور دیگر۔ ڈاکٹر دوست محمد خان کے پیش کئے ہوئے ترانے ''آواز دو ہم ایک ہیں'' کی پیشکش کے لئے اسٹیج پر بلا کر پذیرائی کرتے ہوئے۔

ڈاکٹر دوست محمد خان، کالج کے اساتذہ کے ہمراہ ترانہ ''آواز دو ہم ایک ہیں'' پیش کرتے ہوئے۔

ڈاکٹر دوست محمد خان، پدم شری فاطمہ رفیق زکریا کا استقبال کرتے ہوئے۔ ساتھ میں ڈاکٹر مظہر محی الدین۔

ڈاکٹر دوست محمد خان ''آدرش پراچاریہ'' ایوارڈ حاصل کرتے ہوئے۔
(منجانب رما پرتشٹھان ۲۰۰۴ء)

ڈاکٹر دوست محمد خان NAAC ٹیم کے ممبروں کے ساتھ ایجوکیشنل اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کشتوار شرینگر کا معائنہ کرتے ہوئے۔

عبدالکریم سالار (صدر اقرأ ایجوکیشن سوسائٹی، جلگاؤں) ڈاکٹر دوست محمد خان کا استقبال کرتے ہوئے۔

Publisher, Editor & Owner Dr. Yousuf Khan Jabbar Khan (Dr. Yousuf Sabir), Printed at Noorani Press, Mirza Ghalib Road, Near Juna Faran Hospital, Malegaon-324203, Dist. Nasik (MS) and published at P.No.174, S.No.201, Savera Park, Behind Ibrahim Masjid, Jatwada road, Harsul, Aurangabad-431008 (MS)

سہ ماہی
عکسِ ادب
اورنگ آباد (اردو)

جلد(۱۴) شمارہ(۵۰) جنوری تا مارچ ۲۰۲۵ء

جو کسی خواب نے دیکھا نہ تصور نے کہیں
بات تو جب ہے کہ انسان وہاں تک پہنچے
(ڈاکٹر یوسف صابر)

فی شمارہ	:	۷۵/روپئے
زرسالانہ(بدست)	:	۳۰۰/روپئے
زرسالانہ(سادہ پوسٹ)	:	۴۰۰/روپئے
لائبریری کے لئے	:	۴۰۰/روپئے
رجسٹرڈ پوسٹ	:	۵۰۰روپئے
تاحیات ممبرشپ(بھارت)	:	۵۰۰۰روپئے
بیرونی ممالک	:	۱۰۰۰۰/تا۱۵۰۰۰/روپئے

سرکولیشن منیجر : تنزیل احمد خان (Mob. 09284747707)

خریداری اور اشتہار کے لئے منی آرڈر، چیک اس نام سے بھیجیں :
Yousuf Khan Jabbar Khan
Bank of Maharashtra
S/Ac/ No. 60021185230
IFSC code MAHB 0000278
SBI
S/Ac/No.SB 52068629025
IFSC code SBIN 0020786

مقام اشاعت/ترسیل زر/مضامین/تخلیقات سے متعلق خط وکتاب کا پتہ
Yousuf Khan Jabbar Khan
Editor: **Aks-e-Adab** *(Quarterly)*
P.No.174, S.No.201,
Savera Park, Behind Ibrahim Masjid, Jatwada Road,
Harsul, Chh. Sambhajinagar
Dist. Post Chh. SAMBHAJINAGAR (M.S.) 431008
Mobile: 09326772575
email : akseadab@gmail.com

Website : https://www.akseadaburdu.com

طباعت
نوری آفسیٹ پریس
مرزا غالب روڈ، جونا فاران اسپتال، مالیگاؤں ضلع ناسک (مہاراشٹر)

نوٹ: مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔
''عکسِ ادب'' سے متعلق کوئی بھی قانونی چارہ جوئی اورنگ آباد کی عدالت میں ہی ہوگی۔

مدیر اعلیٰ : ڈاکٹر یوسف صابر (یوسف خان جبار خان) 09326772575
معاون مدیر : شرجیل احمد خان موبائل : 09595686784
اعزازی مدیر : ڈاکٹر نخشب مسعود موبائل : 09372012930
مینجنگ ڈائریکٹر : سیدہ فرزانہ نسیم موبائل : 09423877584

سرپرست
☆ڈاکٹر عبدالکریم سالار (جلگاؤں)
☆نور خاں (جالنہ)

مجلس مشاورت
☆علامہ ناوک حمزہ پوری (حمزہ پور)
☆ڈاکٹر معصوم شرقی (کولکتہ)
☆ڈاکٹر فرحت حسین خوشدل (ہزاری باغ)
☆ڈاکٹر عظیم راہی (اورنگ آباد)
☆شفیع احمد شفیع (پربھنی)
☆ڈاکٹر درانی ایس۔ایم (ناندیڑ)
☆ڈاکٹر مبین نذیر (مالیگاؤں)
☆علیم طاہر (ممبئی)
☆محسن عظیم انصاری (لکھنؤ)
☆چشتی سلیم بیدر (پربھنی)

مجلس ادارت
☆پروفیسر ڈاکٹر عقیلہ سید غوث
☆پروفیسر ڈاکٹر ارشاد احمد خان
☆پروفیسر ڈاکٹر سلیم محی الدین
☆پروفیسر ڈاکٹر کیرتی مالنی وٹھل راؤ جاولے
☆پروفیسر ڈاکٹر آصف زکریا
☆پروفیسر انصاری ساجد عبدالحفیظ
☆پروفیسر ڈاکٹر قاضی کلیم
☆ڈاکٹر عابد حسین محمد صادق
☆ڈاکٹر محمد اقبال۔آئی۔جرمن
☆وجاہت قریشی
☆ڈاکٹر شاہ ایاز
☆ڈاکٹر حبیب النساء
☆ڈاکٹر سلیم نواز حشر
☆اسسٹنٹ پروفیسر احمر عباس خان

معاونین خصوصی
☆شاہ حسین نہری (اورنگ آباد)
☆پروفیسر شیخ عظیم الدین (اورنگ آباد)
☆ابراہیم خان (اورنگ آباد)
☆معز ہاشمی (اورنگ آباد)
☆ڈاکٹر مسرت فردوس (اورنگ آباد)
☆ڈاکٹر غزالہ پروین (اورنگ آباد)
☆ڈاکٹر سلیم نواز حشر (اورنگ آباد)
☆ڈاکٹر سلیم محی الدین (اورنگ آباد)
☆ڈاکٹر دوست محمد خان (اورنگ آباد)
☆ڈاکٹر شہاب افسر (اورنگ آباد)
☆احمد خان ایم۔اے (اورنگ آباد)
☆ڈاکٹر مبین نذیر (مالیگاؤں)
☆ڈاکٹر شاہ ایاز (مالیگاؤں)
☆ڈاکٹر عابد حسین محمد صادق (مالیگاؤں)
☆سمیع اللہ خان زید اللہ خان پٹھان (پربھنی)
☆ڈاکٹر حبیب النساء (پربھنی)
☆ڈاکٹر نسیم بیگم عبدالسلیم (پربھنی)
☆ڈاکٹر ارشاد احمد خان (ناندیڑ)
☆ڈاکٹر محمد عبدالرافع (ناندیڑ)
☆ڈاکٹر عقیلہ سید غوث (امباجوگئی)
☆احمر عباس خان زاہد خان (ایوت محل)
☆شیخ معین الدین فکر پرتاپ گڑھی (ممبئی)
☆ڈاکٹر سمیع اللہ خان (پربھنی)
☆ادریس فاروقی عسکری (اورنگ آباد)

☆ ترتیب و تزئین ☆

اداریہ	ڈاکٹر یوسف صابرؔ	۳
اسلامیات	سیدہ فرزانہ نسیم	۴
عکس ایماں	حمد، نعت	۵
باذل عباسی ، یٰسین انصاری ، طاہر حسین طاہرؔ ، خورشید بسمل		
☆مغزادب	ڈاکٹر یوسف صابرؔ	۶
☆مضامین و انٹرویو		
● اردو شاعری میں عصری سماجی......	ڈاکٹر شیخ عشرت اقبال	۷
● عصر حاضر میں کشمیر کے نثر نگار __	جہانگیر احمد شیر گوجری	۹
● انجیر۔بہترین دوا بہترین پھل	ڈاکٹر رفیع الدین ناصر	۱۱
● قرآن اور تخلیق انسانی (چوتھی قسط)	(کیپٹن) ڈاکٹر ایم ایم شیخ	۱۲
● ناسا کے سائنسداں اور امریکہ میں......(انٹرویو) علیزے نجف		۱۳
● برمحل اشعار اور ان کے ماخذ	خلیق الزماں نصرت	۱۵
● اردو خاکہ نگاری کا ایک اہم ستون......	ڈاکٹر ثمینہ خاتون	۱۶
● محبت کی زبان۔غوثیہ سلطانہ نوری	ندیم مرزا	۴۸
● عکس ادب۔ڈاکٹر یوسف صابر کی ادبی......	حلیم صابر	۵۸
● سلگتے احساس کا شاعر۔مشتاق دربھنگوی	شگوفہ تمنا	۵۹
☆گوشۂ ڈاکٹر دوست محمد خان		۱۸ تا ۴۷
● قلمکار :	نورالحسنین (انٹرویو)، اسلم مرزا، محمد محمود صدیقی، عبدالکریم سالار، ڈاکٹر مسرت فردوس، پروفیسر رفیع الدین ناصر، محمد اختر خان، ڈاکٹر یوسف صابرؔ ڈاکٹر خان شہناز بانو، ڈاکٹر بدرالاسلام، خواجہ کوثر حیات، ڈاکٹر ذاکر خان ذاکر	
☆شاعری		
● نظمیں		
تہنیت/رخصتی بتقریب شادی خانہ آبادی	ثنا حسین	۱۰
ڈاکٹر سنجیدہ خانم شاہین، فیروز سروش، ف خ مسرت، آش حمد		۵۱
محمد احمد دانش، مشتاق احسن		۵۶
ملتجی (فلسطین کے پس منظر میں)	ڈاکٹر غزالہ پروین	۵۷
● غزلیں		
ڈاکٹر منیب حنفی، اظہر نیر		۲۷
صابر جوہری بھدروی		۳۳
بشیر احمد راہی		۳۸
تفسیر پرھنوی، رئیس الزماں صدیقی		۴۶
سیفی سرونجی، بشارت علی خان اختر جالنوی، طاہر حسین طاہر،		۵۰
طٰہٰ صدیقی، ڈاکٹر نصرت حنفی		۵۰
شفیع احمد شفیع		۵۶
محمد جمال الدین چشتی، چشتی سلیم بیدرد		۵۷
● رباعی ۔ کے انیس اظہر		۵۷
● مرثیہ (ڈاکٹر حمید اللہ خان کی رحلت پر)	ڈاکٹر یوسف صابر	۶۱
☆تعارف وتبصرے		۵۲
☆افسانچے: ڈاکٹر عظیم راہی، ندیم مرزا، ڈاکٹر نخشب مسعود، پون شرما،		۵۴
ارشد صدیقی، رام نارائن اپادھیائے		۵۴
☆خاکچے	ندیم مرزا	۵۵
☆افسانہ : پیوندکار	ڈاکٹر ذاکر خان ذاکر	۶۰
☆اخبار عکس ادب		۶۲
☆خلوص عکس ادب		۶۴

کافی نہیں ہوا و بال و پر جہان میں
کچھ حوصلہ بھی ہوتا ہے لازم اڑان میں

ڈاکٹر یوسف صابرؔ

لائف ممبران

(۱) عتیقہ اطہر موسیٰ (اورنگ آباد)
(۲) قاضی خسرو (اورنگ آباد)
(۳) ڈاکٹر مسرت فردوس (اورنگ آباد)
(۴) ڈاکٹر کیرتی مالنی جاؤلے (اورنگ آباد)
(۵) انصاری ابرار احمد (اورنگ آباد)
(۶) مہر سلطانہ جبار قریشی (اورنگ آباد)
(۷) ڈاکٹر عبدالرب (اورنگ آباد)
(۸) سید وہاب الحق (اورنگ آباد)
(۹) محمد سعید احمد محمد سردار (اورنگ آباد)
(۱۰) ڈاکٹر فرحت نسرین (اورنگ آباد)
(۱۱) ڈاکٹر شرف النہار (اورنگ آباد)
(۱۲) ڈاکٹر معین فاطمہ (اورنگ آباد)
(۱۳) ڈاکٹر مخدوم فاروقی (اورنگ آباد)
(۱۴) مولانا آزاد کالج (اورنگ آباد)
(۱۵) شیخ شہلا سلطانہ (اورنگ آباد)
(۱۶) برہانی نیشنل اردو پرائمری اسکول (اورنگ آباد)
(۱۷) ڈاکٹر قاضی رضوانہ شمیم (اورنگ آباد)
(۱۸) اسماء روحی قادری (اورنگ آباد)
(۱۹) شیخ ظہور احمد (اورنگ آباد)
(۲۰) ابراہیم خان لیاقت خان (اورنگ آباد)
(۲۱) ڈاکٹر سلیم نواز حشرؔ جعفر آبادی (اورنگ آباد)
(۲۲) ڈاکٹر قمر النساء (خلد آباد)
(۲۳) مبین نذیر (مالیگاؤں)
(۲۴) مقصود اشرف (مالیگاؤں)
(۲۵) ڈاکٹر شاہ ایاز (مالیگاؤں)
(۲۶) ڈاکٹر شاداب روش (مالیگاؤں)
(۲۷) انصاری عتیق احمد محمد شعبان (مالیگاؤں)
(۲۸) سٹی کالج (مالیگاؤں)
(۲۹) خان عبدالغفار خان کالج (پاتھری)
(۳۰) عالیہ کوثر (اسسٹنٹ پروفیسر) (جالنہ)
(۳۱) تحسین درانی (جالنہ)
(۳۲) عبدالوہاب (اسسٹنٹ پروفیسر) (جالنہ)
(۳۳) ڈاکٹر نسیم بیگم (پربھنی)
(۳۴) ڈاکٹر سلیم محی الدین (پربھنی)
(۳۵) خضر احمد خان شررؔ (پربھنی)
(۳۶) حبیب النساء (پربھنی)
(۳۷) ڈاکٹر قاضی کلیم (پربھنی)
(۳۸) ڈاکٹر شبانہ درانی (ناندیڑ)
(۳۹) ڈاکٹر ارشاد احمد خان (ناندیڑ)
(۴۰) شیخ ہما کوثر (اسسٹنٹ پروفیسر) (ناندیڑ)
(۴۱) اظہر احمد غلام یزدانی (ناندیڑ)
(۴۲) اختر صادق (ناندیڑ)
(۴۳) محمد اختر (ناندیڑ)
(۴۴) ڈاکٹر سید اصفیہ مدنی سید زکریا (بیڑ)
(۴۵) ڈاکٹر سید فرید احمد نہری (بیڑ)
(۴۶) ڈاکٹر عظمیٰ تسنیم (پونہ)
(۴۷) ڈاکٹر عنبر خاتون (ہزاری باغ)
(۴۸) ڈاکٹر فرحت حسین خوشدل (ہزاری باغ)
(۴۹) رشید ضاربؔ (حیدر آباد)
(۵۰) ڈاکٹر عقیلہ سید غوث (امبہ جوگائی)
(۵۱) ڈاکٹر مقبول احمد مقبول (ادگیر)
(۵۲) سید سمیع الدین (بیدر)
(۵۳) J.J.T.University (راجستھان)
(۵۴) محبوب پاشا اعظمی (چنئی)
(۵۵) ڈاکٹر نکہت آراء (شولاپور)
(۵۶) شیخ ارم فاطمہ (نلنگہ)
(۵۷) ڈاکٹر محمد ناصر اللہ انصاری (لاتور)
(۵۸) احمر عباس خان (ایوت محل)

اداریہ

یہ ضروری نہیں ہر تیر نشاں تک پہنچے
حق ہو آواز تو پہنچا دو جہاں تک پہنچے

(ڈاکٹر یوسف صابؔر)

صحافت نہایت اہم اور عظیم پیشہ ہے۔ اس پیشے میں زیادہ سے زیادہ نوجوانوں کی شمولیت اسے مستحکم اور کامیاب بناتی ہے۔ ایک زمانہ تھا جب مولانا ابوالکلام آزاد جیسے لوگ نوجوانی میں اس پیشے سے وابستہ ہوجاتے تھے۔ آج کے دور میں اکثر عمر رسیدہ لوگ اس پیشے سے جڑتے دکھائی دیتے ہیں۔ شاید اسی لئے کئی اخبار اور رسالے جلد ہی دم توڑ دیتے ہیں۔ ایک ہی عمر رسیدہ شخص اونر ہوتا ہے، پبلشر ہوتا ہے اور ایڈیٹر بھی ہوتا ہے اور اسے فائنانشیل سپورٹ بھی نہیں کے برابر ہوتا ہے۔ اس لئے یہ کام انتہائی مشکل ہوجاتا ہے۔ 'عکس ادب' اردو ۲۰۱۲ء میں شروع ہوا تھا۔ یہ پچاسواں شمارہ ہے یعنی ہم گولڈن جوبلی شمارے تک پہنچ چکے ہیں۔ خصوصاً رسالہ چلانے کے لئے ایڈیٹر کو جسمانی و دماغی طور پر فٹ ہونا چاہئے، تبھی رسالہ پابندی سے نکالا جاسکتا ہے۔ 'عکس ادب' کو اس وقت ہر طرح کا تعاون درکار ہے، گوکہ 'عکس ادب' پچاسویں شمارے تک پہنچ چکا ہے۔ مگر 'عکس ادب' سہ ماہی (اردو) کو مزید ہاتھ چاہئے جو اسے فائنانشیل سپورٹ کرسکیں۔ خصوصی معاونین کی تعداد میں اگر مزید اضافہ ہوتا ہے تو 'عکس ادب' کو ایک نئی اور صحت مند زندگی نصیب ہوسکتی ہے۔ صحافت کے میدان میں 'عکس ادب' کو مزید کتنی کامیابیاں ملتی ہیں یا یہ بھی کمزور ہوکر بند ہوجائے گا یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔

خاکسار
ڈاکٹر یوسف صابؔر
مدیر اعلیٰ
سہ ماہی 'عکس ادب' اردو
اورنگ آباد

دینی معلومات

نقشہ رموز اوقاف یعنی کم اور زیادہ ٹھہرنے کی علامات

(۱)	مـ	یہ علامت وقف لازم کی ہے، لازم کا مختصر تذکرہ کر دیا گیا ہے اسی لئے حاشیہ پر اس کے مقابل وقف لازم لکھ دیا جاتا ہے جہاں ایسا نشان ہو وہاں ٹھہرنا ضرور چاہئے۔ نہ ٹھہرنے میں مطلب بگڑ جاتا ہے یہاں تک کہ بعض جگہ کفر کا اندیشہ بھی ہو جاتا ہے۔
(۲)	ط	یہ مطلق کا مخفف ہے۔ مراد یہ ہے کہ ط کے ماقبل کو مابعد سے ملانا مناسب نہیں، یہاں مطلقاً ٹھہر جانا چاہئے کیونکہ موجب وصل کچھ نہیں۔
(۳)	ج	جائز کی علالت ہے یعنی ٹھہرو یا نہ ٹھہرو، دونوں باتیں برابر ہیں کیونکہ وقف اور وصل دونوں کی دلیلیں موجود ہیں۔
(۴)	ز	یہ مجوز کا مختصر ہے ایسی جگہ وقف اور وصل دونوں ہوتے ہیں مگر وصل کی دلیل قوی ہوتی ہے اس لئے ملا کر پڑھنا اولیٰ ہوتا ہے۔
(۵)	ص	یہ رخص کا مخفف ہے یعنی چاہئے تو لفظ ماقبل کو مابعد سے ملا کر پڑھنا لیکن اگر سانس ختم ہو جائے یا کسی اگلے ایسے کلمہ پر سانس ٹوٹ جانے کا خیال ہو، جس پر ٹھہرنا مناسب نہیں تو اس جگہ پر ٹھہر جانے کی اجازت ہے۔ مگر پھر بھی اعادہ کرنا اولیٰ ہے، خلاصہ یہ کہ اس جگہ وقف کی وجہ ضعیف ہوتی ہے۔
(۶)	ق	یہ قد قیل کا مخفف ہے یعنی ترجیح تو اسی کو ہے کہ یہاں نہ ٹھہرے مگر بعض عالموں نے اس جگہ ٹھہرنے کو بھی جائز کہا ہے۔
(۷)	ك	یہ علامت کذلك کی ہے یعنی جو دلیل وقف کی اس سے پہلے رمز میں ہے وہی یہاں بھی ہے اس لئے اس کا حکم بھی ماقبل کا سا ہوگا۔
(۸)	س یا سکتہ	یہ دونوں بھی سکتہ کی علامات ہیں اور سکتہ کے معنی بغیر سانس توڑے وقف کرنے کے ہیں یعنی تھوڑا ٹھہرنا۔
(۹)	وقف یا وقفہ	یہ دونوں بھی سکتہ ہی کے ہم معنی ہیں، صرف یہ فرق ہے کہ سکتہ اقرب بوصل ہے اور وقفہ اقرب بوقف یہاں بہ نسبت سکتہ کے زیادہ ٹھہرنا چاہئے۔
(۱۰)	صل	یہ علامت قد یوصل کی ہے یعنی اس جگہ ٹھہرنا اولیٰ ہے، اگرچہ بعض علماء نے نہ ٹھہرنے اور ملا کر پڑھنے کی بھی اجازت دی ہے۔
(۱۱)	صلے	اس کو الوصل اول کا مخفف سمجھنا چاہئے، یہ اس کی علامت ہے کہ اس جگہ ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔
(۱۲)	لا	یہ لام الف علامت اس کی ہے کہ یہاں وقف نہیں لہٰذا ٹھہرنا نہ چاہئے اور اگر کسی وجہ سے ٹھہر جائے تو اعادہ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔
(۱۳)	قف	یہ بقف علیہ الواقف کا مختصر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں سانس کو روکنا اور وقف کرنا چاہئے۔
(۱۴)	O	یہ علامت جملہ کے تمام ہونے کی ہے، اس جگہ پہنچ کر ٹھہر جانا چاہئے کیونکہ حضورؐ اس موقع پر ٹھہرا کرتے تھے۔ اگر اس بہ لا لکھا ہے تو نہ ٹھہرنا اولیٰ ہے لیکن اگر ضرورتاً ٹھہر جائے تو کچھ حرج بھی نہیں اور اگر اس پر ط یا قد یا ز وغیرہ ہو تو جو حرف ہوگا اسی کے مطابق آیت میں وقف یا وصل کیا جائے گا۔
(۱۵)	ع	یہ علامت رکوع کی ہے۔ (۱۶) **السجدہ** یہ علامت سجدہ کی ہے۔ (۱۷) **الجزء** یہ علامت پارہ کی ہے۔
(۱۸)	الربع	علامت چوتھائی پارہ کی ہے۔ (۱۹) **النصف** یہ علامت نصف پارہ کی ہے۔ (۲۰) **الثلثہ** یہ علامت پارہ کے تین حصے کی ہے۔
(۲۱)	∴	ایک آیت میں دو جگہ یہ تین نقطے بنے ہوں تو وہاں ایک جگہ ٹھہرو، ایک جگہ نہ ٹھہرو، چاہے پہلی جگہ ٹھہرو چاہے دوسری جگہ۔ اصل میں تینوں نقطی اختلاف کی علامت ہیں کہ بعض عالموں نے اس پر وقف کیا اور بعض نے اس پر وقف نہیں کیا اور ایسے موقع پر حاشیہ پر مع لکھ دیتے ہیں جو معانقہ کا مخفف ہے۔

اور اہل وقف کی اصطلاح میں اس کو مراقبہ بھی کہتے ہیں، اگر یہ اختلاف متقدمین میں ہو تو مع کے تحت میں عند المتقدمین اور متاخرین میں ہوا ہو تو عند المتاخرین لکھ دیتے ہیں اس کی مثال جیسے لَارَيْبَ صلے فيه ج

ہدایت متعلق باداء بعض حروف : یہ چند حروف ہیں کہ ان میں اکثر لوگ فرق نہیں کرتے۔ ان کو الگ الگ ادا کرنا اور فرق کرنا چاہئے اور فرق کرنے میں خوب کوشش چاہئے۔ ع اور عر میں اور ت اور ط میں اور ش س ص میں اور ح اور ہ میں اور د اور ض میں اور ذ اور ظ میں کیونکہ ت پر نہیں ہوتی اور ط پُر ہوتی ہے اور ث نرمی سے ادا ہوتی ہے اور س سختی سے اور ص پُر ہوتا ہے اور ض کے ادا کرنے میں زبان کی کروٹ بائیں طرف کی داڑھ سے لگتی ہے، سامنے کے دانتوں سے اس کا پڑھنا غلط ہے اور اس کی مشق خوب کرنی چاہئے اور ذ نرم ہوتی ہے اور ز سخت ہوتی ہے اور ظ پُر ہوتی ہے۔

از : سیدہ فرزانہ نسیم (اورنگ آباد) (9326772575)

عکسِ ایماں

حمد

باذل عباسی

ترے نورِ ذات میں ڈوب کر ہمہ وقت محوِ ثنا رہوں
تری بارگاہِ عظیم میں یونہی سر بسجدہ پڑا رہوں

مرا عشق تیری نماز ہے مرا شوق دیدِ حجاز ہے
یہی انتہائے نیاز ہے کہ رہینِ دستِ دعا رہوں

مجھے رنگ دے کہ میں پھول ہوں مجھے شاخ دے کہ ثمر بنوں
مجھے بارشوں سے نواز دے کہ تمام عمر ہرا رہوں

میں سحر سحر ہوں نوائے گل میں شجر شجر ہوں ہوائے گل
مجھے خوشبوؤں میں بکھیر دے کہ مشامِ جاں میں بسا رہوں

☆☆☆

نعت

یاسین انصاری (اٹاوہ)
موبائل : 9690433139

شمار ہو نہیں سکتا ہے نعمتوں کا تری
ہے فیض جاری ہر اک سمت برکتوں کا تری

بہت رحیم ہے پروردگارِ عالم تو
نزول ہوتا ہے ہر وقت رحمتوں کا تری

بڑائی کتنی بھی کرلیں بیان تیری ہم
احاطہ ہو نہیں سکتا ہے عظمتوں کا تری

تو بے حساب ہے بندوں پہ مہرباں اپنے
حساب کون لگائے محبتوں کا تری

تھا جب بھی اور ہے یاسینؔ معترف اب بھی
نوازشوں کا ، کرم کا ، عنایتوں کا تری

☆☆☆

نعت

طاہر حسین طاہرؔ (ناندیڑ)
موبائل : 8087570387

شاہ امم کا سید ابرار کا جمال
روشن ہر اک سمت ہے سرکار کا جمال

ہر چیز کائنات کی پُرنور ہوگئی
ظاہر ہوا جو احمد مختار کا جمال

آتے ہیں دیکھنے کو فرشتے بھی عرش سے
آقائے دو جہان کے دربار کا جمال

خواہش ہے دیکھنے کی تو قرآن دیکھئے
پوشیدہ آیتوں میں ہے سرکار کا جمال

قربان ان کی چشم مبارک پہ جان و دل
دیکھا جنہوں نے روضۂ انوار کا جمال

کمزور اونٹنی کو توانائی مل گئی
پایا جو پشت پر شۂ ابرار کا جمال

طاہر بیان کیسے کرے ایک نعت میں
کردار کا جمال وہ گفتار کا جمال

☆☆☆

نعت پاک

خورشید بسملؔ

میرے آقا بہار لے آئے
رنگ اجلے ہزار لے آئے

رشکِ جنت بنا دیا صحرا
کیا فضا خوشگوار لے آئے

جاں کے دشمن کو بھی اماں دے دی
کتنا اچھا شعار لے آئے

دے کے قرآن کا ہمیں تحفہ
نعمت شاہکار لے آئے

گلہ بانوں کو آگہی بخشی
رفعتیں بے کنار لے آئے

دورِ دخترکشی کا ختم ہوا
بیٹیوں کا وقار لے آئے

حق نے بخشا عروج لاثانی
آسمانوں سے پار لے آئے

بند مٹھی میں بولتے پتھر
بت پرستوں کی ہار لے آئے

درِ اقدس پہ حاضری بسملؔ
ساعتِ یادگار لے آئے

خصوصی گوشے کے لئے رابطہ قائم کیجئے۔
9326772575

مغز ادب

ڈاکٹر یوسف صابر (اورنگ آباد)

موبائل : 9326772575

☆ بحر کامل مثمن سالم یہ مفرد بحر ہے جو متفاعلن کی تکرار سے وجود میں آتی ہے۔ اگر کسی شعر میں متفاعلن کو آٹھ مرتبہ یعنی دو مصرعوں میں چار چار بار استعمال کریں تو یہ بحر کامل مثمن سالم مفرد بحر کہلاتی ہے۔ متفاعلن کا رکن ایک سبب ثقیل، ایک سبب خفیف اور ایک وتد مجموعہ سے بنتا ہے۔ سبب ثقیل میں دو حروف ہوتے ہیں اور دونوں بھی متحرک ہوتے ہیں اور سبب خفیف میں پہلا حرف متحرک جبکہ دوسرا ساکن ہوتا ہے اور وتد مجموعے میں پہلا اور دوسرا حرف متحرک اور تیسرا ساکن ہوتا ہے۔ متفاعلن رکن میں سبب ثقیل اور سبب خفیف دونوں ایک وتد مجموعے کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں، اس لئے بحر کامل مثمن سالم مفرد بحر کی تقطیع کرنا دشوار ہے جب تک سبب ثقیل اور سبب خفیف کو اچھی طرح سمجھ نہ لیں۔ اس بحر کے شعر کی صحیح تقطیع نہیں کی جاسکتی۔ بحر کامل مثمن سالم کے ایک رکن متفاعلن میں جملہ سات حروف ہوں گے۔ ایک مصرعے میں ۲۸ جبکہ ایک شعر میں ۵۶ حروف ہوں گے۔

☆ بحر کامل مثمن سالم کے اشعار اور اُن کی تقطیع

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن
تُ بَ چا بچا	کِ ن رک اسے	تِ رَا ائنا	ہ وا ائنا
کِ شِ کس تہو	ت ع زی زتر	ہ نِ گاہ اا	ءِ ن سازمے

جو گذر گیا وہ ملال ہے، یہ جو پاس ہے وہ بھی دھول ہے
جو بھی مل گیا وہ عطا سمجھ، جو نہ مل سکا وہ فضول ہے

متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن
جَ گُ زر گیا	وم لال ہے	ی ج پاس ہے	وَ بِ دول ہے
ج بِ مل گیا	وع طا سمج	ج نہ مل سکا	وف ضول ہے

تری منتظر تھی مری نظر تو نہ آسکا مجھے دیکھنے
یہی درد مجھ کو مٹا گیا یہ اذیتیں مجھے کھا گئیں

متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن
ت رِ من تظر	ت م ری نظر	تُ نَ اا سکا	م ج دے کنے
ی ہِ درد مج	ک مِ ٹا گیا	ی اَذی یتے	م ج کا گئی

یہ صدائے تشنہ و نیم کش جو قلم کی نوک سے آملی
ہمیں آشنائے شعور تھے ہمیں بولنے کی سزا ملی

متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن
ی ص داءِ تش	ن و نی مکش	ج قلم ک نو	ک س اا ملی
ہ مِ اا شنا	ءِ ش عور تے	ہ مِ بولنے	کِ س زا ملی

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آسکے میں وہ ایک مشتِ غبار ہوں

متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن
ن کِ س ک اا	ک ک نور ہو	ن کِ سی ک دل	ک قَ رار ہو
ج کِ سی ک کا	م نَ اا سکے	م وا ے ک مش	تِ غُ بار ہو

جو میں سر بہ سجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن
ج م سر ب سج	دَہُ وا کبی	ت زمی س اا	نِ ل گی صدا
ت ر دل ت ہے	ص نَ ماشنا	ت ج کا ملے	گ ن ماز مے

نہ وہ رنگ فصلِ بہار کا نہ روش وہ ابر بہار کی
جس ادا سے یار تھے آشنا وہ مزاج بادِ صبا گیا

متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن
ن ورن گ فص	ل ب ہار کا	ن روش واب	رب ہار کی
ج س داس یا	رت آشنا	وَ م زاج با	دِ ص با گیا

مرے چارہ گر کو نوید ہو صفِ دشمناں کو خبر کرو
وہ جو قرض رکھتے تھے جان پر وہ حساب آج چکا دیا

متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن
م رچار گر	ک ن وی دہو	ص فِ دش مناں	ک خ بر کرو
وج قرض رک	تِ تِ جان پر	وح ساب اا	ج چُ کا دیا

بھلا آنا آپ کا کام ہے یہ غلط تمام کلام ہے
اجی بس ہمارا سلام ہے کہیں اور باتیں بنائیے

متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن
ب ل اان اا	پ ک کام ہے	ی غ لط تما	م ک لام ہے
اجِ بس ہما	رس لام ہے	ک ہ اور با	ت ب نا ئیے

غزل ایسی کامل وزن سن متفاعلن متفاعلن
ہے نسیم طاقت ہوش سن کوئی شعر اور سنائیے

متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن
غ زلے س کا	م لِ وزن سن	مُ تَ فاعلن	مُ تَ فاعلن
ہ ن سی م طا	قَ تِ ہوش سن	ک ی شع راو	رس نا ئیے

وہی کارواں وہی قافلہ تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی منزل اور وہی مرحلہ تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن
وِ ہِ کاروا	وِ ہِ قافلہ	ت مِ یاد ہو	کِ نَ یاد ہو
وِ ہِ من زلر	وِ ہِ مرحلہ	ت مِ یاد ہو	کِ نَ یاد ہو

ترے پاک نام پہ اے خدا مرا تن فدا مرا من فدا
مرے ور دِلب ہے نبی نبی مرا دل مقامِ حبیب ہے

متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن
ت رِ پاک نا	م پ اے خدا	م رتن فدا	م رمن فدا
م رور دلب	ہ ن بی نبی	م ر دل مقا	م ح بی ب ہے

☆☆☆

مضامین

اردو شاعری میں عصری سماجی مسائل کی عکاسی

ڈاکٹر شیخ عشرت اقبال
(اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اردو)
سوامی رامانند تیرتھ مہاودیالیہ،
امبہ جوگائی (ضلع بیڑ)
Mob : 9689408777

خلاصہ (Abstract)

اردو شاعری برصغیر کی ایک قدیم ادبی روایت ہے، جو صدیوں سے سماجی، سیاسی، اور ثقافتی حالات کی عکاسی کرتی آ رہی ہے۔ عصری سماجی مسائل جیسے کہ طبقاتی تفاوت، جنسی امتیاز، سیاسی بدعنوانی، ماحولیاتی تبدیلی، اور جدیدیت کے اثرات نے اردو شاعری کو ایک نئی جہت عطا کی ہے۔ یہ شاعری نہ صرف سماجی مسائل کی نشاندہی کرتی ہے بلکہ ان کے حل کے لیے ایک فکری رہنمائی بھی فراہم کرتی ہے۔ اس تحقیقی جائزے کا مقصد اردو شاعری میں عصری سماجی مسائل کی عکاسی کا جائزہ لینا اور اس کے ادبی، سماجی، اور فکری اثرات کا تجزیہ کرنا ہے۔

تعارف :

اردو شاعری کی ابتداء دکن سے ہوئی، جہاں قلی قطب شاہ جیسے شعرا نے عشقیہ موضوعات کو شاعری کا محور بنایا۔ تاہم، وقت کے ساتھ ساتھ اردو شاعری نے سماجی مسائل کو اپنانا شروع کیا۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں، نظیر اکبرآبادی نے عوامی زندگی، غربت، اور سماجی ناانصافیوں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ بیسویں صدی میں ترقی پسند تحریک نے اردو شاعری کو ایک نئی سمت دی، جس میں فیض احمد فیض، ساحر لدھیانوی، اور مجروح سلطانپوری جیسے شعرا نے سماجی استحصال، جنگ کی تباہ کاریوں، اور آزادی کی خواہش کو اپنی شاعری میں پیش کیا۔

عصری سماجی مسائل کی عکاسی :

عصری اردو شاعری میں سماجی مسائل کی عکاسی کو درج ذیل اہم موضوعات کے تحت تقسیم کیا جا سکتا ہے :

(۱) طبقاتی تفاوت اور معاشی ناانصافی :

اردو شاعری نے طبقاتی تفاوت اور معاشی ناانصافی کو نمایاں طور پر اجاگر کیا ہے۔ ترقی پسند شعرا نے سرمایہ داری کے ناقص نظام اور محنت کش طبقے کی حالت زار کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ مثال کے طور پر، فیض احمد فیض کی نظم "مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ" میں محبت کے ساتھ ساتھ سماجی ناانصافیوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا

اسی طرح، ساحر لدھیانوی نے اپنی نظموں میں سرمایہ دارانہ نظام کی ناانصافیوں کو تنقید کا نشانہ بنایا۔

(۲) جنسی امتیاز اور نسائی مسائل :

عصری اردو شاعری میں خواتین کے مسائل، جنسی امتیاز، اور تانیثی نقطہ نظر کو اہمیت دی گئی ہے۔ پروین شاکر، کشور ناہید، اور فہمیدہ ریاض جیسی شاعرات نے عورت کے استحصال، سماجی پابندیوں، اور خودمختاری کی جدوجہد کو اپنی شاعری میں پیش کیا۔ فہمیدہ ریاض کی نظم "چادر اور چار دیواری" عورت کی سماجی قید اور اس کی آزادی کی خواہش کی عکاسی کرتی ہے۔

یہ چادر یہ چار دیواری ، یہ بدن کی قید
یہ سب کچھ تو ہے ، مگر زندگی تو نہیں

اس قسم کی شاعری نہ صرف عورت کے مسائل کو اجاگر کرتی ہے بلکہ سماجی تبدیلی کی ضرورت پر بھی زور دیتی ہے۔

(۳) سیاسی بدعنوانی اور ظلم وستم :

سیاسی بدعنوانی، آمریت، اور ظلم وستم کے خلاف اردو شاعری ایک طاقتور آواز رہی ہے۔ حبیب جالب کی نظم "دستور" میں آمریت کے خلاف مزاحمت کی عکاسی اس طرح کی گئی ہے۔

ایسی دستوریں ہمیں منظور نہیں
جن سے عوام کے حقوق چھینے جائیں

اسی طرح، فیض کی نظم "ہم دیکھیں گے" میں ظالم نظام کے خاتمے کی امید اور عوامی انقلاب کی خواہش کو بیان کیا گیا ہے۔

(۴) ماحولیاتی مسائل :

جدید دور میں ماحولیاتی تبدیلی اور آلودگی جیسے مسائل بھی اردو شاعری کا حصہ بنے ہیں۔ اگرچہ یہ موضوع نسبتاً نیا ہے، لیکن بعض شعرا جیسے کہ احمد فراز نے فطرت کی تباہی اور انسانی لالچ کو اپنی شاعری میں موضوع بنایا۔ مثال کے طور پر۔

یہ جنگل یہ دریا یہ ساحل سبھی
انساں کے ہاتھوں سے زخمی ہوئے

(۵) جدیدیت اور ثقافتی بحران :

جدیدیت کے اثرات، ثقافتی شناخت کا بحران، اور مغربی اثرات نے بھی اردو شاعری کو متاثر کیا ہے۔ اقبال کی شاعری میں مسلم امت کی بیداری اور خودی کا تصور اسی بحران کا جواب ہے۔ عصری شعرا میں کہ جون ایلیا اور منیر نیازی نے جدید انسان کے وجودی کرب اور تنہائی کو اپنی شاعری میں پیش کیا۔ جون ایلیا کا شعر۔

ہم تو محبت کے قیدی ہیں کوئی سزا دو
یہ جو زمانے کی بات ہے یہ ہم سے نہ پوچھو

جون ایلیا کا یہ شعر جدید انسان کی بے چینی اور سماجی دباؤ کی عکاسی کرتا ہے۔

ترقی پسند تحریک کا کردار :

ترقی پسند تحریک نے اردو شاعری کو سماجی مسائل کی طرف متوجہ کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اس تحریک کے تحت شعرا نے رومانیت کے بجائے حقیقت پسندی کو اپنایا اور سماجی تبدیلی کے لیے شاعری کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ منشی پریم چند کی صدارت میں لکھنؤ میں ہونے والی پہلی کل ہند ترقی پسند کانفرنس نے اس تحریک کو مضبوط بنیاد فراہم کی۔ سجاد ظہیر، احمد علی، اور رشید جیسے ادیبوں نے شاعری اور نثر دونوں میں سماجی مسائل کو اجاگر کیا۔ اس تحریک نے اردو شاعری کو ایک عالمگیر تناظر عطا کیا اور اسے طبقاتی جدوجہد، آزادی کی تحریک، اور انسانی حقوق کے لیے آواز بلند کرنے کا ذریعہ بنایا۔

عصری شعرا کا کردار :

عصری اردو شعرا نے سماجی مسائل کی عکاسی کو مزید گہرائی دی ہے۔ مثال کے طور پر :

احمد فراز: ان کی شاعری میں سیاسی ظلم، سماجی ناانصافی، اور انسانی حقوق کی پامالی کے خلاف آواز بلند کی گئی۔

پروین شاکر: انہوں نے عورت کے داخلی جذبات اور سماجی پابندیوں کو موثر انداز میں پیش کیا۔

زہرا نگاہ: ان کی شاعری میں سماجی مسائل کے ساتھ ساتھ انسانی رشتوں کی اہمیت بھی نظر آتی ہے۔

تنقیدی جائزہ :

اردو شاعری میں عصری سماجی مسائل کی عکاسی کو تنقیدی نقطہ نظر سے دیکھنے کے لیے درج ذیل نکات اہم ہیں:

(۱) فکری گہرائی : اردو شاعری نہ صرف مسائل کی نشاندہی کرتی ہے بلکہ ان کے حل کے لیے ایک فکری رہنمائی بھی فراہم کرتی ہے۔ مثال کے طور پر، اقبال کی شاعری میں خودی کا تصور ایک ایسی فکری تحریک ہے جو سماجی اور سیاسی تبدیلی کی بنیاد بن سکتی ہے۔

(۲) زبان و اسلوب: اردو شاعری کی زبان سادہ لیکن پراثر ہوتی ہے، جو عوام تک پیغام پہنچانے میں مدد دیتی ہے۔ فیض، ساحر، اور جالب کی شاعری اس کی واضح مثالیں ہیں۔

(۳) سماجی اثر: اردو شاعری نے عوامی شعور کو بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے، خاص طور پر آزادی کی تحریک اور آمریت کے خلاف جدوجہد میں۔

چیلنجز اور امکانات :

اردو شاعری کو عصری سماجی مسائل کی عکاسی میں کئی چیلنجز کا سامنا ہے، جیسے کہ کم ہوتا ہوا قارئین کا حلقہ، جدید میڈیا کا غلبہ، اور زبان کی ترویج کے مسائل۔ تاہم، نئے شعرا جیسے کہ جاوید اختر اور گلزار نے فلموں اور میڈیا کے ذریعے اردو شاعری کو نئی نسل تک پہنچانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس کے علاوہ، سوشل میڈیا پلیٹ فارمز نے اردو شاعری کے فروغ میں نئی راہیں کھولی ہیں۔

ماحصل :

اردو شاعری عصری سماجی مسائل کی عکاسی کا ایک طاقتور ذریعہ رہی ہے۔ اس نے نہ صرف سماجی، سیاسی، اور معاشی مسائل کو اجاگر کیا بلکہ ان کے حل کے لیے ایک فکری اور جذباتی رہنمائی بھی فراہم کی۔ ترقی پسند تحریک سے لے کر عصری شعرا تک، اردو شاعری نے سماجی تبدیلی کے لیے ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ مستقبل میں اسے جدید میڈیا اور تعلیمی اداروں کے ذریعے مزید فروغ دینے کی ضرورت ہے تاکہ یہ اپنا سماجی اور ادبی کردار مؤثر طریقے سے ادا کر سکے۔

☆

کتابیات :

(۱) مسعود حسن رضوی ادیب۔ ہماری شاعری: معیار و مسائل۔ نظامی پریس، لکھنؤ، 1976ء

(۲) احمد پراچہ۔ اردو ادب کی ترقی پسند تحریک: تحقیقی و تنقیدی جائزہ۔ کتاب وسنت، 2018ء

(۳) فراق گورکھپوری۔ اردو کی عشقیہ شاعری۔ سنگم پبلشنگ ہاؤس، الہ آباد، 1945ء

(۴) رؤف پاریکھ۔ اردو نثر میں مزاح نگاری کا سیاسی اور سماجی پس منظر۔ ریختہ بکس، 2010ء۔

(۵) قاسم یعقوب۔ اردو شاعری پر جنگوں کے اثرات۔ ریختہ بکس، 2020ء۔

(۶) ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں۔ ادبی جائزے۔ الکتاب، کراچی، 1965ء

(۷) نسیم قریشی۔ اردو ادب کی تاریخ۔ کمال پرنٹنگ پریس، دہلی، 1955ء

☆☆☆

عصر حاضر میں کشمیر کے نثر نگار ___ ایک مختصر جائزہ

مضمون نگار : جہانگیر احمد شیر گوجری
Jahangeer Ahmad Shirgojri
Village.. Wathoo Shopian
P/o.. Berthipora District .ShopianKashmir
Pin code.. 192303 Ph. 9682584130

☆ملخص (Abstract)

دورحاضر میں جہاں کشمیر میں شعراء نے شاعری کی شمع کو روشن رکھا ہے اور غزل، نظم کی روایت کو آگے بڑھا رہے ہیں وہیں اچھی خاصی تعداد نثر نگاروں کی بھی ہے جو تخلیق، تنقید، افسانوی اور غیر افسانوی ادب کے چراغ کو روشن رکھنے میں منہمک ہے اور اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھا کر ادبی حلقوں میں مقبول ہو رہے ہیں۔ اگرچہ ان ادباء میں زیادہ تعداد افسانہ نگاروں کی ہے لیکن اس کارواں میں کچھ ناقدین اور انشائیہ نگار بھی شامل ہیں جن کی شہرت اور پہچان بین الاقوامی سطح تک ہے ان میں سے منتخب نثر نگاروں کا مختصر تعارف پیش ہے۔

☆تعارف (Introduction)

نورشاہ، شبنم قیوم، وحشی سعید، بشیر احمد، جوہر قدوسی، ڈاکٹر اشرف آثاری، جان محمد آزاد، ڈاکٹر ریاض توحیدی، راجا یوسف، طارق شبنم، ڈاکٹر عریف جامعی، ایس معشوق احمد، ڈاکٹر محمد شفیع ایاز اور ڈاکٹر گلزار وانی کے علاوہ بھی متعدد افسانوی و غیر افسانوی نثر نگار کشمیر میں ہیں جن کی ادب میں خاطر خواہ خدمات ہیں۔

☆نورشاہ: کشمیر کے ممتاز ادیبوں کا ذکر آتے ہی ذہن میں فوراً نورشاہ کا نام آتا ہے۔ نورشاہ کا شمار کشمیر کے کہنہ مشق ادباء میں ہوتا ہے۔ ان کا قلم پچھلے ساٹھ سال سے لگاتار فن پارے تخلیق کر رہا ہے۔ مختلف نثری اصناف میں لکھتے ہیں لیکن شہرت بطور افسانہ نگار پائی۔ ناول اور تنقیدی مضامین بھی لکھے ہیں اور آج بھی لگاتار ملک کے مختلف رسائل و جرائد میں ان کی ادبی کاوشیں تواتر سے چھپتی ہیں۔ کشمیر کے معروف ادیب ایس معشوق احمد اپنی کتاب ''دبستان کشمیر کے درخشاں ستارے'' میں ان کے متعلق لکھتے ہیں :

''نورشاہ نے نہ صرف افسانے تخلیق کئے بلکہ ناول، ریڈیائی ڈرامے، فلمی فیچر، کالم، افسانچے اور تنقیدی مضامین بھی لکھے ہیں۔ ترجمہ نگار بھی ہیں اور کشمیر کی روح، کلچر، ثقافت، تہذیب و تمدن کے ترجمان بھی۔ آپ نے بحیثیت افسانہ نگار شہرت پائی اور ان کے باقی پہلوؤں کی طرف کم ہی دھیان دیا گیا۔ ان کے افسانوں میں حسن پرستی اور رومانیت بھی ہے اور عشقیہ قصے بھی، زندگی کی کڑواہٹ بھی ہے اور خوشیوں کی مٹھاس بھی، حقیقت پسندی بھی ہے اور رومان بھی۔''

نورشاہ نے ادبی حلقوں میں اپنی منفرد شناخت قائم کی ،ان کے معاصرین میں شبنم قیوم، وحشی سعید، شیخ بشیر احمد، جوہر قدوسی، ڈاکٹر اشرف آثاری، جان محمد آزاد وغیرہ کا شمار بھی بہترین نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔ شبنم قیوم کے ناول ''یہ کس کا لہو ہے کون مرا'' کو جو شہرت ملی وہ کم ہی فن پاروں کے نصیب میں آئی ہے۔ وحشی سعید نے ناول نگاری اور افسانہ نگاری میں نام کمایا وہیں شیخ بشیر احمد نے افسانہ نگاری میں اور جوہر قدوسی سمیت اشرف آثاری کی تنقیدی صلاحیتوں کو ادبی حلقوں میں خوب سراہا گیا ہے۔

☆ڈاکٹر ریاض توحیدی: موجودہ دور میں جو ناقدین اور تخلیق کار پوری دنیا میں مشہور ہیں ان میں ڈاکٹر ریاض توحیدی کا نام بطور خاص شامل ہے۔ ڈاکٹر ریاض توحیدی کے افسانوی مجموعوں میں ''کالے پیڑوں کا جنگل'' اور ''کالے دیوؤں کا سایہ'' نے کافی شہرت پائی ہے وہیں ان کے تنقیدی و تحقیقی کاموں میں ''جہان اقبال''، ''ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم بحیثیت اقبال شناس'' اور ''معاصر اردو افسانہ ... تفہیم و تجزیہ۔۔جلد اول و دوم'' کو بھی اردو قارئین نے سر آنکھوں پر بٹھایا۔ ان کے افسانوں میں جہاں علامتی انداز پایا جاتا ہے وہیں تنقیدی مضامین میں وہ جدید تھیوریز کا اطلاق کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ فن پارے کی خوبیوں اور خامیوں کو ہنرمندی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ ان کے معاصرین بھی پیچھے نہیں، راجہ یوسف، طارق شبنم جیسے افسانہ نگاروں نے بھی ادبی حلقوں میں عزت اور قدر پائی۔ ان دونوں افسانہ نگاروں نے لوگوں کے دکھ درد اور گردوپیش کے مسائل کی نمائندگی مہارت اور خوبی سے اپنے افسانوں میں کی ہے۔ راجہ یوسف نے اپنے دو افسانوی مجموعے ''کاغذی پیرہن'' اور ''نقش فریادی'' کی بدولت کشمیر کے افسانوی نثری ادب کی روایت کو مستحکم کیا وہیں طارق شبنم نے ''گمشدہ دولت'' اور ''بے سمت قافلے'' جیسے افسانوی مجموعوں سے اس کو مضبوط کیا۔ موجودہ دور میں کشمیر کے ایک منفرد نثر نگار ڈاکٹر عریف جامعی ہیں۔ اصل نام ڈاکٹر الطاف حسین ایتو ہے۔ انگریزی میں پچھلے کئی سالوں سے لکھ رہے ہیں۔ اردو میں اب تک ایک بہترین کتاب ''تجلیات معرفت'' لکھ چکے ہیں جس میں مذہبی قسم کے عمدہ مضامین شامل ہیں۔

☆**ایس معشوق احمد**: کشمیر میں ہی نہیں برصغیر میں بھی غیر افسانوی ادب خاص کر انشائیہ نگاروں کی تعداد قلیل ہے۔ کشمیر کے موجودہ دور کے معروف انشائیہ نگاروں میں ایس معشوق احمد کا نام منفرد مقام رکھتا ہے۔ معشوق کے انشائیوں کو بین الاقوامی شہرت ملی ہے۔ نہ صرف کشمیر اور ملکی سطح پر ان کے انشائیوں کو سراہا گیا بلکہ پڑوسی ملک پاکستان میں بھی ان کی انشائیہ نگاری کے حوالے سے مضامین قلمبند کئے گئے ہیں۔ معشوق کی اب تک چار کتابیں منظر عام پر آئی ہیں جن میں ''میں نے دیکھا'' اور ''کوتاہیاں'' انشائیوں کے مجموعے ہیں اور ''دبستان کشمیر کے درخشاں ستارے'' اور ''کتابیں جھانکتی ہیں'' تنقیدی تحریروں پر مشتمل ہیں۔ معشوق کے معاصرین میں جن ادباء نے انشائیے رقم کئے ان میں ڈاکٹر محمد شفیع ایاز، شفیع احمد، ڈاکٹر گلزار احمد وانی، ڈاکٹر فلک فیروز اور ڈاکٹر عاشق آکاش وغیرہ شامل ہیں۔ ڈاکٹر شفیع ایاز کے انشائیوں کا مجموعہ خرافات، ڈاکٹر گلزار وانی کا دہلیز اور فلک فیروز کا مجموعہ حسن انتخاب کشمیر کے انشائیہ ادب میں ایک اہم اضافہ ہے۔ معشوق اور ان دیگر انشائیہ نگاروں نے اپنے انشائیوں میں طنزیہ اور مزاحیہ پیرائے میں سماج کی برائیوں اور ناہمواریوں کو اجاگر کیا ہے اور صنف انشائیہ کو پروان چڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

☆**ماحصل**: کشمیر میں عصر حاضر کے متعدد قلمکاروں نے صنف افسانہ کو فروغ دینے میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے ہیں۔ جن افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں میں سماجی مسائل، طبقاتی کشمکش، اور انسانی جذبات کی عکاسی کی ہے ان میں رحیم رہبر، زاہد مختار، مشتاق مہدی، پرویز مانوس، ناصر ضمیر، فیض قاضی آبادی، رئیس احمد کمار وغیرہ شامل ہیں۔ ان افسانہ نگاروں نے کشمیریت، یہاں کے تہذیب و تمدن، یہاں کے حالات و واقعات اور روزمرہ میں ہونے والے زندگی سے جڑے مسائل کو اپنی کہانیوں میں جگہ دی ہے۔ کشمیر میں موجودہ دور کے ادباء نثر کے ذریعے اپنی ثقافت، تہذیب و تمدن، تاریخ، حالات و واقعات اور مختلف مسائل کو اجاگر کر رہے ہیں۔ ان کو پڑھ کر نوجوان نسل بھی ادب میں دلچسپی لے رہی ہے۔ نوجوان ذوق وشوق سے مختلف نثری اصناف میں طبع آزمائی کر رہے ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھیں تو کشمیر میں اردو نثر کا ماضی تابناک تھا، حال روشن ہے اور یقیناً مستقبل بھی منور ہوگا۔

☆☆☆

تہنیت/رخصتی بتقریب شادی خانہ آبادی

● ثنا حسین بنت ڈاکٹر فرحت حسین خوشدل

خانۂ خوشدل سے ہے بیٹی ثنا کی رخصتی
اک نیا گھر ہوگیا آباد اس کی ہے خوشی
آج بشریٰ پیاری بیٹی سے ہے کہتی ہر نفس
لائے پیغام مسرت ہر مہینہ ، ہر برس
اوج پر ہو تیری قسمت ، تیرا رتبہ ہو بلند
سب کہیں ، بیٹی بہت خوش بخت ہے اور ارجمند
دل سے ہم یہ کہہ رہے ہیں ، تیرا حافظ ہو خدا
ہے یہ قانون خدا ، بیٹی کو کرتے ہیں جدا
باپ کے گھر میں امانت تھا ترا پیارا وجود
تو تھی تسکین دل و جاں ، تجھ سے خوشیوں کی نمود
استماعل کا جو گھر ہے اب ہوا تیرا وہ گھر
ہے دعا ، دولہا دلہن حاصل کریں فتح و ظفر
اپنی خوش خلقی سے اور حسن عمل سے کام لے
ہر گھڑی سسرال میں ہر ایک پیاری بنے
جیت لے دل استماعل کا اسے تو شاد رکھ
مہر و الفت سے ہمیشہ اپنا گھر آباد رکھ
اپنے گھر کو مثل جنت ہی بنانا ہے ثنا
الفت و اخلاص کے گل سے سجانا ہے ثنا
باپ ماں سے ہو کے رخصت ہو رہی ہے معتبر
بالیقیں سسرال ہے دنیا کی ہر بیٹی کا گھر
واصف و توصیف و کاشف خوش بھی ہیں، مغموم بھی
رخصتی خواہر کی ہے ، پیاری بہن رخصت ہوئی
طلعت و فیاض دیتے ہیں بھتیجی کو دعا
شادماں اور کامراں تجھ کو سدا رکھے خدا
ڈاکٹر بے بی تبسم اور خرم بھی ہیں شاد
ہیں ثنا کے پھوپھا پھوپھی ، کہہ رہے ہیں شاد باد
خوش رہے پیاری بھتیجی اور وہ پھولے پھلے
شاہراہ زیست پر آگے سدا بڑھتی رہے
دادی ، دادا طاہرہ مرحومہ اور سید علی
جنت الفردوس میں دیتے دعا ہیں دونوں بھی
ساتھ ان کے نادرہ ، کوثر کی بھی ارواح ہیں
جنت الفردوس میں وہ دونوں بھی ہمراہ ہیں
پھوپھیاں دونوں ، دعا گو ہیں بھتیجی کے لئے
اے خدا ! پیاری ثنا ہر دم ترقی ہی کرے
پھوپھی کوثر کے ہیں شوہر جن کا ہے شاہین نام
وہ بھی اس تقریب میں بے حد ہوئے ہیں شاد کام
ابن شاہین ، ابن کوثر ، پیارا جو طاسین ہے
وہ بھی شاداں ، یاد مادر میں مگر غمگین ہے
فیصل و حماد ، دونوں بھائی بے حد خوش ہوئے
جا رہی ہے اب ثنا ، آباد ہونے کے لئے
ننھا شہزادہ جو ہے حماد ، بے حد خوش ہوا
وہ ثنا آپی کا پیارا اور بے حد لاڈلا
ہے دعا میری بھی ، رحمت کا سدا سایہ رہے
الفت دین محمدؐ سب کا سرمایہ رہے
پھول کی تجھ سے دعا ہے ، اے خدائے ذوالنین
لہلہائے اب ثنا اور استماعل کا چمن

دعا گو : تنویر پھول (نیویارک۔امریکہ)

ISSN 2320-6519 **AKS-E-ADAB** *(Quarterly)* Aurangabad. (PEET REVIEWED JOURNAL)

انجیر بہترین دوا/ بہترین پھل

● پروفیسر رفیع الدین ناصر
(قومی اعزاز یافتہ ٹیچر)
صدر شعبہ نباتات
مولانا آزاد کالج اورنگ آباد
موبائل :9422211634

مختلف نام : انجیر کو انگریزی میں Fig' اردو' ہندی' پنجابی' بنگالی' مراٹھی میں انجیر کہتے ہیں۔اس کا سائنسی نام *Ficus carica Linn.* ہے۔ اس کا خاندان *Moraceae* ہے۔

قرآن شریف میں تذکرہ: قرآن شریف میں انجیر کا تذکرہ سورۃ التین میں اس طرح کیا گیا ہے۔

وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ (1) وَطُورِ سِينِينَ (2) وَهَٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ (3) لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (4)

ترجمہ: انجیر کی قسم اور زیتون کی۔اور سنین کی۔اور اس امن والے شہر کی کہ ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔ (آیت:۴-۱)

انجیر کی پہچان: انجیر یہ بڑے پتوں والا درخت ہوتا ہے جس کی بلندی ۲۰ تا ۳۰ فٹ تک ہوسکتی ہے۔اس کے پتے بڑے ہوتے ہیں۔تنہ پر گرہ نمایاں ہوتی ہیں۔ اس پر مرکب پھل لگتے ہیں جن کے اوپری سرے پر جوف ہوتے ہیں۔

انجیر کی دستیابی: انجیر کا اصل وطن شام' فلسطین ومصر ہے لیکن آج کل بڑے پیمانے پر اورنگ آباد واطراف کے اضلاع میں اس کی کاشت ہورہی ہے۔ بطور خاص دولت آباد' خلد آباد کے علاوہ جالنہ' بیڑ' پربھنی' ناندیڑ وغیرہ میں کسان اس کی کاشت کر رہے ہیں۔ بہت سے گھروں میں انجیر کو کثیر مقدار میں اگایا جارہا ہے۔

انجیر کے خواص: انجیر ایک ایسا پھل ہے جس میں فاضل مادے نہیں ہوتے ہیں۔ یہ طبیعت کو نرم اور بدن کو فربہ کرتا ہے۔ اس کے خشک پھلوں میں پچاس فیصد سے زائد شکر ہوتی ہے۔اس کے علاوہ کچھ مقدار میں میلک ایسڈ' ایسیٹک ایسڈ اور سیٹرک ایسڈ پائے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ ایک اہم خامرہ فیسین بھی اس میں پایا جاتا ہے۔ یہ تمام کیمیات معدے کے امراض میں بہت فائدہ مند ہیں۔گردوں کو صاف کرتے ہیں۔

انجیر کے طبّی استعمال : حضرت ابوالدرداء روایت فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی خدمت میں کہیں سے انجیر سے بھرا ہوا تھال آیا۔انہوں نے ہم سے کہا کہ کھاؤ۔ہم نے اس میں سے کھالیا۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اگر کوئی کہے کہ کوئی پھل جنت سے زمین پر آسکتا ہے تو میں کہوں گا کہ یہی وہ ہے۔ بلاشبہ یہ جنت کا میوہ ہے۔اسے کھاؤ کہ یہ بواسیر کو ختم کردیتا ہے اور گھٹیا (جوڑوں کے درد) میں مفید ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بے شمار مسائل کا ایک آسان حل انجیر ہے۔ انجیر پیٹ میں تبخیر سے بچاتا ہے۔قبض کو دور کرتا ہے۔خون کی نالیوں سے سُدے نکالتا ہے۔ خون کی نالیوں کی دیواروں کو صحت مند بناتا ہے۔ بواسیر کے مسّے خشک کرتا ہے۔ اگر انجیر اور کلونجی نہار منہ کھائیں تو اس دن زہر کا اثر نہیں ہوتا۔انجیر بہترین غذا ہے۔مقامی لوگ حلق کی سوزش' سینے کے بوجھ' پھیپھڑوں کی سوجن کے علاج کے لئے انجیر کا استعمال کرتے ہیں۔انجیر جگر اور تلّی کو صاف کرتا ہے۔بلغم کو پتلا کرکے نکالتا ہے۔انجیر کا گودا بخار کے دوران مریض کے منہ کو خشک نہیں ہونے دیتا۔انجیر کو نہار منہ کھانے سے آنتوں کی غلاظت نکل جاتی ہے۔ان کا فعل اعتدال پر آجاتا ہے۔ اگر انجیر کے ساتھ موز اور بادام ہوں تو اور بہتر ہے۔انجیر پرانی قبض' کھانسی اور رنگ نکھارنے کے لئے مفید ہے۔ موٹاپا کم کرنے کے لئے اس کے روزانہ تین دانے کھانا چاہئے۔ انجیر سے جسم کی قوت مدافعت بڑھتی ہے اور سوزشوں کے ورم میں کمی آتی ہے۔انجیر خوراک کو مکمل ہضم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔درد کو دور کرتا ہے اور جلن کو رفع کرتا ہے۔انجیر پتھری کو حل بھی کرسکتا ہے۔خشک انجیر کو توے پر جلا کر دانتوں پر اس کی راکھ کا منجن کیا جائے تو دانتوں سے رنگ اور میل اتر جاتا ہے۔مسوڑھوں کی سوزش کے لئے جتنے بھی منجن بنائے جاتے ہیں اگر ان میں انجیر کی راکھ شامل کرلی جائے تو فائدہ زیادہ جلد اور اچھا ہوتا ہے۔خواتین کے لئے انجیر کھانے سے حیض کے خون میں اضافہ ہوتا ہے اور دودھ زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ انجیر کھانے سے چہرے پر نکھار آتا ہے' باؤ گولے کو نافع اور حواس خمسہ کو قوت عطا ہوتی ہے۔اس کے گودے کو شکر اور سرکے کے ساتھ پیس کر بچوں کو چٹانے سے نزخرے کا ورم اتر جاتا ہے۔اس کے کھانے سے کمر کا درد جاتا رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے جب انجیر کی قسم کھائی تو پھر اس کے اثرات شاندار ہونا ضروری ہے۔ ☆

قرآن اور تخلیق انسانی

قسط چوتھی

(کیپٹن) ڈاکٹر ایم ایم شیخ
(اورنگ آباد) 9823784760

بڑے ہی تعجب کی بات ہے کہ زمین پر زندگی کا آغاز کیسے ہوا؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا نہ کوئی فلسفی اور نہ کوئی سائنسداں جواب دے سکا۔ نہ کوئی شخص اس راز کو پا سکا۔ شاید قیامت تک راز ہی رہے گا۔ لیکن زمین پر کچھ شہادتیں حیاتیاتی ارتقاء کا نظریہ (Evolution) سے ملی ہیں جن سے زندگی کے آغاز کے بارے میں اندازے لگائے جاسکتے ہیں جن میں قابل ذکر مندرجہ ذیل ہیں۔

قدیم ترین رکازات (Old fossils): رکازات قدیم ترین جانوروں کی باقیات (Remains) ہیں اور پتھروں میں دفن ہوئے ملتے ہیں لیکن ان جانوروں کے خدوخال اور جسامت وغیرہ اب بھی نمایاں ہیں۔ ان میں سے بعض کو عجائب گھروں میں محفوظ کرلیا گیا ہے۔ یونیورسٹیوں میں جہاں علم حیاتیات اور علم ارضیات (Biology & Geology) مضامین پڑھائے جاتے ہیں ان میں بعض کو طلباء کی رہنمائی کے لئے بھی محفوظ کرلیا گیا ہے اور تحقیقی تجربہ گاہوں میں رکھا گیا ہے۔ ان کے باقاعدہ مطالعہ نے ایک اہم مضمون کی شکل اختیار کرلی ہے جیسے علم رکازات یا علم طبقات الارض یا Palaentology کہتے ہیں۔ ان رکازات میں نہ صرف جانوروں کے باقیات ہیں بلکہ پودوں کے بھی ہیں۔ یہ سب زمین کے کھدائی سے ملتے ہیں جو ماہر ارضیات کی نگرانی میں طئے پاتی ہیں۔

ملّر کا تجربہ

تیسری شہادت زندگی کے شروع ہونے کے بعد وہ کیمیائی تجربہ ہے جو ایک امریکی کیمیادان سٹنلے ملر (Stanley miller) اور اس کے ساتھ ہیرولڈ یورے (Harold urey) نے ۱۹۵۲ء میں کیا۔ انھوں نے اپنے تجربہ میں وہ ممکنہ حالات پیدا کرنے کی کوشش کی جن حالات میں زندگی کا آغاز زمین پر ہوا ہوگا۔ انہوں نے اپنے تجربہ میں شیشے کے ایک برتن میں جو کہ صراحی نما تھا مندرجہ ذیل اشیاء استعمال کی۔

(۱) پانی، جس نے اُس وقت کے سمندروں کی نمائندگی کی۔ (۲) ہائیڈروجن، امونیا اور میتھن آمیزہ جس نے ہماری قدیم فضاء کی نمائندگی کی۔ (۳) ایک برقی قوس (Arc) یا شرارہ استعمال کیا جس نے بادلوں کی کڑک اور چمک کی نمائندگی کی۔

اس آلہ (Apparatus) کو جراثیم سے مکمل پاک کر کے سیل (Seal) کردیا گیا اور شروع کردیا گیا۔ اس تجربے میں برقی قوس (شرارے) کی موجودگی میں تینوں کو مسلسل پانی سے گزارا گیا۔ جس کی مدت ایک ہفتہ رہی۔ اس عمل کے بعد ان دونوں نے اس تجربے کو بند کردیا اور معلوم کیا کہ بہت سارے نامیاتی مرکبات (Organic Compounds) جو اس تجربے نے پیدا کیا ان میں قابل ذکر ایسیڈ (امینو ترشے) تھے جو کہ پروٹینی (لحمیات) فاٹی ایسیڈ (Fatty acids) اور یوریا (Urea) بلڈنگ بلاکس کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جو امینو اینڈ کاربن ہائیڈروجن، نائٹروجن اور آکسیجن کے ایٹموں پر مشتمل تھے۔ بجلی کے شرارے سے حاصل شدہ توانائی نے استعمال کی گئی گیسوں کے ایٹموں کا ملاپ کردیا اور ان کو ایسے مادہ میں تبدیل کردیا جو زندہ جانوروں میں پایا جاتا ہے۔ سمندروں میں زندگی کی ابتداء کی دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ شاید کبھی آتش فشاں پہاڑوں کا گرم لاوا جس میں سلیکا موجود ہوگا، سمندروں میں گر گیا ہوگا، اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک اور تجربہ کیا جائے جس میں گرم سلیکا (جو لاوا کی نمائندگی کرے) اور بالابنفشی شعاعیں (Ulrtra voilet rays) (جو سورج کی روشنی کی نمائندگی کرے) تو بھی ویسے ہی نتائج برآمد ہوں گے جو ملر کے تجربے سے حاصل ہوتے ہیں۔ شہاب ثاقب اور مختلف سیاروں کی بناوٹ سے یہ بات مشاہدے میں آئی کہ زمین کی قدیم فضا وہ نہ تھی جس کے مساوی فضاء ملر نے استعمال کی لیکن شاید اُس وقت بھی زمین کی فضاء کاربن ڈائی آکسائیڈ، نائٹروجن اور آبی بخارات پر مشتمل تھی لیکن یہ تبدیلی ملر کے تجربہ کو رد نہیں کرتی۔ مگر جب ان گیسوں کا آمیزہ اُس کے آلہ میں استعمال کیا جاتا ہے تو اس پر یا آلہ کی دیواروں کے ساتھ ایک سیاہ رنگ کا تارکول جیسا مادہ چپک جاتا ہے جس میں بہت سے نامیاتی سالمے ہوتے ہیں۔

ان تجربات کی روشنی میں یہ ثابت ہوا کہ ملر کا تجربہ بھی زندگی پیدا نہ کرسکا۔ مختصراً ملر کے تجربہ نے زندگی کی تخلیق نہ کی اور نہ ہی اُن حالات کی ہو بہو نقل کی جو نوعمر زمین (Young earth) پر تھے لیکن اس تجربے کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ مختلف حالات میں فطری طور پر پیچیدہ نامیاتی سالمے (Organic molecules) جنم لیتے ہیں۔ چنانچہ اگر ہم وقت میں پیچھے کی طرف سفر کریں اور ان قدیم سمندروں کے پانی تک پہنچ جائیں تو شاید ہم ان سمندروں کو ان نامیاتی مرکتاب کے آمیزے سے بھرا ہوا پائیں گے جیسے عموماً اولین یخنی (Perimordial soup) کہتے ہیں۔ (جاری)

ناسا کے سائنسداں اور امریکہ میں مشاعروں کے بانی ڈاکٹر عبداللہ سے ایک خصوصی گفتگو

انٹرویونگار : علیزے نجف
Alizay Najaf, Saraimir,
Azamgarh-276305 (UP)
alizey.najaf@gmail.com

دوسری قسط

علیزے نجف: آپ نے مختلف ملکی وغیر ملکی اداروں میں تعلیم حاصل کی ان میں سے کن اداروں سے آپ کی دلی وابستگی سب سے زیادہ رہی اور اس وابستگی کی وجہ کیا تھی؟

ڈاکٹر عبداللہ: دلچسپ سوال کیا ہے آپ نے! انسان دنیا میں کہیں بھی گھومتا پھرے لیکن ایک بار جب علیگڑھ چلا جائے تو پھر اس کی علیگڈھ سے وابستگی ایک الگ طرح سے ہو جاتی ہے، اس وقت مجھے ذاکر علی خاں جو کہ مزاح نگار تھے رشید احمد صدیقی کے شاگرد بھی تھے ان کی کتاب ہے ''روایات علی گڑھ'' اس میں انھوں نے ایک جگہ لکھا تھا، یعینہ وہی لفظ تو نہ ہو شاید کچھ اس طرح لکھا ہے۔

''علی گڑھ باپ کا سایہ ہے
ماں کی آغوش ہے
بھائی کا بازو ہے
یہ یونیورسٹی بھی ہے اور گھر بھی
جس کے آنگن میں سب اس طرح گھلے ملے
اور خوش وخرم نظر آتے ہیں
جیسے علم کے ساتھ ساتھ
پیار و محبت کا درس لینے آئے ہوں
اس لئے وہ روایتی سند کے علاوہ جب
یہاں سے اخوت کی ڈگری بھی لے کر نکلتے ہیں
تو پھر عمر بھر اس پر عمل پیرا ہو کر
اس کی عظمت کا تحفظ کرتے ہیں''

میں علی گڈھ میں دس سال تک رہا اتنا لمبا عرصہ میں گھر سے دور اس سے پہلے کہیں نہیں رہا تھا پرائمری کی تعلیم گھر سے رہ کر حاصل کی پھر شبلی سکول میں گیا تو وہاں ہاسٹل نہیں تھا تو شہر میں نانا کے گھر میں ہی رہتے تھے۔ علی گڑھ کے بعد میں امریکہ آ گیا وہاں کچھ یوں ہوتا تھا کہ یونیورسٹی کے کیمپس میں گئے کلاس لی اور باہر آ گئے، وہاں ایک الگ جدوجہد تھی بالکل ایسے ہی جیسے کسی کھلی فضا میں اگنے والے پودے کو اکھاڑ کر کسی گملے میں لگا دیا جائے جہاں ایک الگ احساس ضرور ہوتا ہے لیکن اجنبیت بھی ہوتی ہے، بالکل ایسا ہی ہمارا حال تھا ہاں لوگوں سے اور وہاں کی قدر و ثقافت سے ایک اچھا تعلق بن گیا وہاں پوری دنیا تھی خود ہندوستان کے تقریبا ہر صوبے کے سٹوڈنٹ اور لوگ وہاں تھے، کیوں کہ اس سے پہلے علی گڑھ میں ہمارا سابقہ زیادہ تر یوپی والوں سے اور ان غیر ملکیوں سے پڑا تھا جو وہاں پڑھنے آتے تھے۔

علیزے نجف: آپ کو علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے سب سے کم عمر پروفیسر ہونے کا اعزاز حاصل ہے اتنی کم عمری میں تدریس کا یہ تجربہ کیسا رہا اس دوران کا کیا کوئی خاص واقعہ یا تجربہ آپ شیئر کرنا چاہیں گے؟

ڈاکٹر عبداللہ: ہاں علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے سب سے کم عمر پروفیسر کے طور پر بھی مجھے جانا جاتا ہے، یہ بات علی گڑھ کی تاریخ سے تحقیق و تصدیق شدہ تو نہیں ہاں یہ بات قرین قیاس ہے کیوں کہ اس وقت میری عمر محض 20 برس کی تھی اس وقت ہم سٹوڈنٹ لگتے تھے کہیں نہ کہیں ایک فخر کا بھی احساس ہوتا تھا جب میں علی گڈھ میں پڑھا رہا تھا اس وقت میری کلاس میں میری ہی عمر اور بعض تو مجھ سے بڑی عمر کے طلبہ موجود تھے، رہی بات ٹیچنگ اسٹائل کی تو وہ بھی الحمدللہ اچھی تھی اس کا تجربہ بہت اچھا رہا، میں بہت محنت کے ساتھ پڑھاتا تھا میرے پروفیسر صاحب نے جو سبجیکٹ مجھے پڑھانے کے لئے دیا تھا وہ میں نے خود پڑھا نہیں تھا تو میں پہلے آٹھ گھنٹے اسے پڑھتا پھر ایک گھنٹے کی کلاس لیتا اس سے میں نے بہت کچھ سیکھا، جب میں امریکہ میں آیا تو وہ تجربہ اور پڑھائی میرے بہت کام آئی۔

علیزے نجف: آپ کے یہاں سائنس اور ادب کا بہترین امتزاج پایا جاتا ہے ہمارے یہاں اکثر لوگ ادب اور سائنس میں ایک حدِّ فاصل کی بات کرتے ہیں ان کے خیال میں سائنس فی الواقع حقیقت کی بات کرتا ہے جب کہ ادب تصوراتی حقیقت کی اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ڈاکٹر عبداللہ: میں بنیادی طور پر میتھ میٹکس کا طالب علم تھا بہت سے لوگ اس کو سائنس نہیں مانتے میں کبھی تجربہ گاہ میں نہیں گیا، ہم نمبرز سے کھیلتے رہے اور ماڈلز بناتے رہے۔ میرے خیال میں یہ کہنا غلط ہے کہ سائنس اور ادب میں ایک تضاد ہے ان میں سے کسی ایک کے بغیر انسان کی شخصیت مکمل نہیں ہوتی، انسانوں کی نفسیات اور سائنس کے پیچ وخم کو سمجھے بغیر ادب کی تخلیق ممکن نہیں، خیالی پلاؤ کے ساتھ تخلیق کیا جانے والا ادب کبھی دیرپا نہیں ہوتا، میں نے کئی مرتبہ یہ بات کہی ہے کہ آئن سٹائن اتنا بڑا سائنس داں تھا وہ وائلن بجایا کرتا تھا، برصغیر کے لوگوں کو لے لیجئے علامہ شبلی نعمانی مؤرخ تھے وہ اردو اور فارسی میں شاعری بھی کرتے تھے۔ اسی طرح علامہ حمیدالدین فراہی جو کہ مفسر قرآن تھے وہ بھی فارسی میں شاعری کرتے تھے بدقسمتی سے ان کے کلام مجموعہ کی صورت میں شائع ہونے سے پہلے ہی ضائع ہو گئے امام خمینی بھی شاعری

کیا کرتے تھے۔اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے ان مختلف جہات میں کام کرکے یا اس کا علم حاصل کر کے ہی انسان کی شخصیت مکمل ہوتی ہے، شاعر بیشک بعض اوقات مبالغہ آرائی سے کام لیتا ہے اگر وہ بالکل حقیقت سے متضاد ہو تو علم کے صفحات پر وہ از خود اپنی قدر کھو دیتا ہے لیکن چند ایک مثالوں کی وجہ سے فن شاعری کو مکمل طور سے حقیقت سے مبرا نہیں خیال کیا جا سکتا۔

علیزے نجف: امریکہ میں رہتے ہوئے آپ کو کن مشرقی اقدار کی کمی بہت شدت کے ساتھ محسوس ہوئی پھر اپنے بچوں کی تربیت کرتے ہوئے کیا آپ کبھی مغربی تہذیب میں پائی جانے والی انتہا پسندی سے خائف ہوئے تھے؟

ڈاکٹر عبداللہ: میرا تعلق اس اوائل دور سے ہے جب ہندوستان سے لوگ امریکہ جانا شروع ہوئے تھے ہم سب اپنے کلچر کے ساتھ وہاں گئے تھے، ہندوستان کے مختلف خطوں سے تعلق رکھنے والے لوگ وہاں ایک ساتھ تھے ہمارے بیچ ایک چیز جو یکساں تھی وہ رشتوں کے تئیں ہمارے رویے واقدار تھے میں اپنے زمانے کی بات کر رہا ہوں آج تو ان میں بہت تبدیلی پیدا ہو گئی ہے، رہی بات بچوں کی تربیت کی تو بیشک ہم نے شروع میں بہت احتیاط برتی، کیوں کہ اسکول اور دیگر جگہوں پر ڈرگس لی جاتی تھی اپنے بچوں کو اس سے بچانے کے لئے ہم نے ہر ممکن کوشش کی اس کا ایک سائڈ ایفیکٹ بھی سامنے آیا بچے تنہائی میں جانے لگے کیوں کہ اس وقت دیسی بچے بہت کم تھے جن سے کہ وہ میل جول رکھ سکیں میرے خیال میں یہ غلط ہوا، ہاں بچوں کے حق میں یہ بات اچھی ثابت ہوئی کہ چوں کہ اس وقت ان کے نانا نانی بھی ہمارے ساتھ تھے تو ان کے ساتھ رہتے ہوئے بچوں نے مشرقی اقدار سیکھے کہ اپنے بڑوں کے ساتھ کیسے پیش آیا جاتا ہے جو کہ امریکی معاشرے میں ذرا نایاب ہے، ویسے ہر جگہ کے ماحول میں کچھ اچھی اور بری چیزیں ہوتی ہیں یہاں بھی ایسا ہی ہے، ہمیں صحیح اور غلط کا شعور پیدا کرتے ہوئے ہر طرح کے لوگوں کے ساتھ رہنا سیکھنا چاہئے کیوں کہ پروفیشنل لائف میں ہمیں چاہتے نہ چاہتے ہوئے ہر طرح کے لوگوں کے ساتھ ڈیل کرنا پڑتا ہے۔

علیزے نجف: ہمارے یہاں مسلمانوں میں مغربی تہذیب کو برملا ہدف تنقید بنایا جاتا ہے لیکن جب ان ناقدین کے اپنے بچوں کے سامنے امریکہ میں سیٹل ہونے کا موقع آتا ہے تو وہ پہلی فرصت میں انھیں وہاں بھیج دینا چاہتے ہیں اس دورخے رویے کو آپ کس طرح دیکھتے ہیں؟

ڈاکٹر عبداللہ: ہمارے یہاں جو مسلمان لوگ ہیں پتہ نہیں وہ کتنے مسلمان ہوتے ہیں کیوں کہ ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو بظاہر اسلام کے پانچوں ارکان ادا کر کے مسلمان ہونے کے نام پر فتوے جھاڑتے ہیں خود جھوٹ بولنے، غیبت کرنے جیسے عمل میں آزاد ہوتے ہیں جب کہ امریکی معاشرے میں ان چیزوں کو بہت برا خیال کیا جاتا ہے امریکہ میں کوئی نشہ کرتا ہے تو یہاں کا معاشرہ اسے نارمل سمجھتا ہے مشرقی ماحول میں اسے بہت برا سمجھا جاتا ہے لیکن وہیں غیبت کرنے والے اور جھوٹ بولنے والوں کو بلکل بھی برا نہیں سمجھتے امریکہ میں آپ ذاتی زندگی میں کیسے ہو کیا کرتے پھر رہے ہو اس سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن معاشرتی زندگی میں دوسروں کی پرائیویسی میں دخل اندازی کی بہت مذمت کی جاتی ہے۔

آپ نے بلکل صحیح کہا کہ جو لوگ امریکی تہذیب کی مذمت کرتے ہیں موقع ملتے ہی پہلی فرصت میں وہ امریکہ آجائیں گے اور یہاں پر سیٹل ہونا چاہیں گے اس کی وجہ ان کے اپنے ملکوں میں پنپنے والی انارکیت ہے، مغربی ممالک کی اقدار مشرقی ممالک سے بہت مختلف ہیں، اس کی بڑی وجہ یہاں کا لاء اینڈ آرڈر ہے میں خود یہاں پہ رہتا ہوں مجھے اس بات پر یقین ہے کہ اگر میرے ساتھ کسی طرح کی کوئی زیادتی ہوگی عدالت کا دروازے کھٹکھٹانے پر مجھے انصاف ملے گا بیشک کچھ معاملات میں یہاں کی عدالتوں میں بھی ہونے والے مبنی برحق فیصلوں کو بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن عام انسانی زندگی سے متعلق بیشتر معاملات ہوں تو فیصلہ اصول اور قانون کے مطابق ہی ہوتا ہے۔جس معاشرے میں انصاف ہوگا وہاں پر سماجی ہم آہنگی بھی ہوگی، میرے خیال میں مغربی ممالک کی طرف لوگوں کی بڑھتی کشش کی بنیادی وجہ یہ بھی ہے۔اس کے علاوہ یہاں پر صلاحیتوں کی قدر کی جاتی ہے ہر پیشے کو عزت دی جاتی ہے۔اس لئے یہ ناقدین اپنی آئندہ نسلوں کو اچھا مستقبل دینے کے لئے مغربی ممالک کی طرف کوچ کرتے ہیں یہ کچھ برا نہیں لیکن ان کا یوں تقلیدی ذہنیت کے ساتھ تنقید کرنا اخلاقیات کے منافی ہے۔(باقی آئندہ شمارہ میں)

Water Proofing

ایسا نہ ہو کہ بادل سے زیادہ چھت ٹپکنے لگے
برسات کے موسم میں اپنے گھر کی چھت کو ٹپکنے سے بچانے کے لئے ہماری خدمات حاصل کیجئے۔

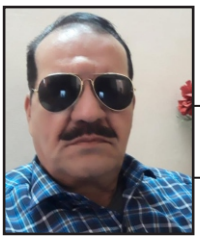

رابطہ قائم کریں :

محمد اختر خان

9822059723, 8793751113

Shino Paints

Aurangabad.

برمحل اشعار اور ان کے ماخذ

بارہویں قسط
خلیق الزماں نصرت (بھیونڈی)
موبائل :9923257606

منت

منت ایسے کو دل دیا تو نے
اے میری جان کیا کیا تو نے
(دلی کا دبستان303- نشترعشق 179)

میر قمرالدین منت1156 ھ میں سونی پت میں پیدا ہوئے اور دلی میں پرورش پائی نورالحسن ہاشمی لکھتے ہیں ریختہ میں بقول مصحفی پہلے قائم سے مشورہ کیا، پھر فارسی میں شیر گوئی شروع کی اور خود کو شمس الدین فقیر کے شاگرد بتانے لگے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے گھر میں تربیت پائی تھی، فارسی میں دیوان اور کئی مثنویاں لکھیں، فارسی نثر میں گلستاں کے جواب میں شکرستان لکھی ۱۱۹۱ھ میں لکھنو آئے ۱۲۰۷ھ میں کلکتہ چلے گئے ۱۲۰۸ھ میں وہیں انتقال کر گئے لارڈ ہسٹنگر کی مدح میں کئی قصیدے لکھے اور ملک الشعراء کا لقب بھی ملا۔

شعروشاعری میں اعلیٰ دستگاہ تھی حیدرآباد بھی گئے وہاں نواب آصف کے لیے قصیدہ کہا وہاں بھی انعامات سے نوازے گئے۔

(نشترعشق از: آغا حسین قلی خان مرتبہ اور ترجمہ عطا کاکوی، ۱۹۸۰ء۔ مملوکہ نصرت)

منتظر

یادگار زمانہ ہیں ہم لوگ
سن رکھو تم فسانہ ہیں ہم لوگ
(کلیات منتظر ص ۱۶۰)

نورالاسلام منتظر ۱۷۵۹ء میں پیدا ہوئے والد کا نام شاہ فیض علی تھا مصحفی کے شاگرد تھے نواب آصف الدولہ کے توپ خانے میں ملازم تھے ان کا دیوان شوال ۱۲۴۹ھ میں شائع ہوا مصفی کہتے ہیں کہ وہ عربی بھی جانتا تھا اور بہت سی کتابیں اس نے نظم اور نثر کی پڑھی ہیں، وہ شہر کہتا تھا اس وقت ایک پری زاد پہ عاشق ہوا ۱۷۹۳ء میں ۲۵ برس کا تھا اب کا حال دریافت نہیں ہوا۔

مصحفی

لوگ کہتے ہیں محبت میں اثر ہوتا ہے
کون سے شہر میں ہوتا ہے کدھر ہوتا ہے
(دیوان مصحفی۔ص ۲۹۲)

دریا میں کل نہا کر اس نے جو بال باندھے
ہم نے بھی دل میں اپنے کیا کیا خیال باندھے
(دیوان مصحفی۔ص ۲۶۳)

کیا چیز دل ہے چاہیے تو جان لیجیے
پر بات کوئی ہے جو کہوں مان لیجیے
(دیوان مصحفی۔ص ۲۶۸)

حسرت پہ اس مسافر بے کس کی روئیے
جو رہ گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے
(غزل، ص ۵۵۔ دیوان مصحفی۔ص ۲۴۳)

ہے طرفہ ماجرا مرے قاتل کے سامنے
بسمل پڑا تڑپتا ہے بسمل کے سامنے
آوارہ گرد۔ص ۱۲۔ دیوان مصحفی۔ص ۲۴۳)

چلی بھی جا جرسِ غنچے کی صدا پہ نسیم
کہیں تو قافلۂ نو بہار ٹھہرے گا
(گلستان۔ص ۳۵۳۔ دیوان مصحفی۔ص ۸)

مصحفی ہم تو یہ سمجھے تھے کہ ہوگا کوئی زخم
تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا
(گلشنِ بے خار۔ص ۳۲۱)

دلّی ہے جس کا نام زمانے میں مصحفی
ساکن تھا میں کبھو اسی اجڑے دیار کا
(انتخابِ مصحفی۔ص ۱۶)

یہ عجیب رسم دیکھی کہ بروز عید قربان
وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا
(لکھنؤ اسکول۔ص ۲۵۵۔ دیوانِ مصحفی۔ص ۵۸)

تیرے در پہ اس بہانے مجھے دن کو رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا
(دلّی۔ ۲۹۰۔ دیوانِ مصحفی۔ص ۴۰)

بلبل نے آشیانہ جب اپنا اٹھالیا
پھر اس چمن میں بوم بسے یا ہما بسے
(م۔ا۔م۔ دیوانِ مصحفی۔ص ۴۹)

معروف

دردسر میں ہو کسے صندل لگانے کا دماغ
اس کا گھسنا اور لگانا دردسر یہ بھی تو ہے
(بیاضِ سخن۔ص ۸۹۔ انتخاب الٰہی بخش معروف۔ص ۱۱۴)

نواب الٰہی بخش خان معروف نواب لوہارو کے چھوٹے بھائی اور غالب کے خسر تھے۔ ان کے والد کا نام عارف جان تھا۔ ان کی پیدائش ۱۷۴۸ء میں ہوئی۔ شاہ نصیر اور ذوق سے اصلاح لی۔ لکھنؤ بھی آئے۔ عیش وعشرت چھوڑ کر تصوف کی راہ پر چل پڑے۔ دیوان شائع ہو چکا ہے۔ ۱۸۲۶ء میں فوت ہوئے۔

منّو لال صفا لکھنوی

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے دل آزاری میں
کوئی معشوق ہے اس پرداز نگاری میں
(تذکرہ سرور، ص398_گلشن بے خار، ص239)

منو لال صفا مصحفی کے شاگرد تھے۔ والد کا نام رائے پورن چند تھا۔ اخبار نویسی کا کام کرتے تھے۔1870ء میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ (تذکرہ سرور، نواب اعظم الدولہ، میر محمد خان، بہادر سرور، 1941ء، عوامی ادارہ، 5675A)

☆☆☆

اردو خاکہ نگاری کا ایک اہم ستون: عابد سہیل

ڈاکٹر ثمینہ خاتون (دربھنگہ)
موبائل: 9122319150

☆تعارف (Inroduction) :

اردو ادب میں خاکہ نگاری کا آغاز مرزا فرحت اللہ بیگ کے خاکہ ''نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی'' سے ۱۹۲۷ء میں ہوا۔لیکن اس سے پہلے خاکہ نگاری کے نقوش تذکروں میں ملتے ہیں۔

☆عابد سہیل بحیثیت خاکہ نگار :

یہ بات بالکل درست ہے کہ اصل فنکار وہی ہے جو کسی بھی شخصیت کی ایسی تصویر پیش کرے جس سے پڑھنے والوں کو یہ محسوس ہو کہ وہ یہ ساری چیزیں دیکھ رہا ہے۔ خاکہ شخصیت کی جیتی جاگتی تصویر کا نام ہے۔ خاکہ نگار ان ہی پر خاکہ لکھتا ہے جس شخص سے اس کے اچھے تعلقات ہوں۔ خاکہ نگار زیادہ تر خاکے اپنے رشتے دار، استاد، دوست اور اپنے ملنے جلنے والوں پر لکھتا ہے۔ وہ جس شخص سے متاثر ہے اس پر بھی خاکے لکھتا ہے کیونکہ اسے خوبیوں کے ساتھ ساتھ خامیوں کو بھی پیش کرنا ہوتا ہے اور یہ ایک مشکل ترین مرحلہ ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ خاکہ دراصل خاکہ نگار کی بصیرت، بصارت، ذہانت اور مصورانہ اہمیت سب ہی کا امتحان ہوتا ہے اور اس میں وہی کامیاب ہوتا ہے جو ذہنی طور پر اپنے موضوع کی زندگی کے تمام نشیب و فراز کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

☆خلاصہ (Abstract)

عابد سہیل ایک بلند پایہ افسانہ نگار، معتبر نقاد، غیر جانبدار صحافی، مشہور مترجم اور ایک اچھے خودنوشت نگار کے ساتھ ساتھ ایک مشہور و معروف خاکہ نگار بھی تھے۔ وہ ۱۹۸۰ء کے بعد ہی سے خاکے لکھنے لگے تھے لیکن ان کے خاکوں کے دونوں مجموعے ''کھلی کتاب'' ۲۰۰۴ء اور ''پورے آدھے ادھورے'' ۲۰۱۴ء میں منظر عام پر آئے۔ وہ ایک بہت ہی اچھے خاکہ نگار تھے۔ ان کے خاکوں میں طنز و مزاح کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ اس مختصر مضمون میں ان کی خاکہ نگاری کی خصوصیات بیان کی گئی ہے۔

عابد سہیل کا شمار صفِ اوّل کے خاکہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ قدرت نے انہیں انسان شناسی کی بے پناہ صلاحیت عطا کی تھی۔ انہوں نے فلسفہ اور علم نفسیات کی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ اس لیے وہ انسانی نفسیات کی باریکیوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ علم، تجربہ اور مشاہدات کو بروئے کار لا کر انہوں نے بہترین خاکے لکھے۔ اپنے خاکوں میں دلکشی اور رعنائی پیدا کرنے کے لئے انہوں نے افسانوی اسلوب کا بڑی ہنرمندی سے استعمال کیا ہے۔ عبدالعلیم پر لکھے گئے خاکے میں ان کے افسانوی اسلوب کو دیکھا جا سکتا ہے :

''دہرا بدن، گورا چٹا رنگ، ذرا سی خوشی یا ناگواری میں کان کی لووں تک سرخ ہو جانے والا چہرہ، فرنچ کٹ داڑھی، شیروانی، چوڑی مہری کا پاجامہ اور سگار تو علیم صاحب کی پہچان بن گیا۔ ایک صاحب نے پوچھا علیم صاحب آپ دن بھر میں کتنے سگار پی لیتے ہوں گے۔ تین چار۔ لیکن میں نے تو جب بھی آپ کو دیکھا سگار ہی پیتے ہوئے دیکھا۔ آپ کو دیکھ کر جلا لیتا ہوں۔ علیم صاحب نے مختصراً جواب دیا اور محفل قہقہہ زار بن گئی۔''

(کھلی کتاب، عابد سہیل، خاکوروی پریس لکھنؤ، ۲۰۰۴، ص ۱۴)

احمد جمال پاشا سے عابد سہیل کے بڑے اچھے مراسم تھے۔ انہوں نے اپنے خاکہ ''احمد جمال پاشا'' میں ان کے چھپے ہوئے بعض پہلوؤں کو بڑے اچھے انداز سے پیش کیا ہے۔ ان کی خوبی اور خامی دونوں پر مزحیہ انداز میں عابد سہیل نے روشنی ڈالی ہے۔ احمد جمال پاشا خود ایک مزاحیہ نگار تھے۔ ان پر عابد سہیل نے خاکہ لکھا اور بالکل ان کے انداز میں لکھا۔ ان کی خاکہ نگاری کا کمال یہ ہے کہ جیسا ماحول اور جیسا منظر رہا ویسی زبان کا استعمال کیا۔ ان کے بہت سے خاکے ایسے ہیں جنہیں پڑھ کر لوگ جذباتی ہو جاتے ہیں اور ان کی آنکھ سے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ ''راجیش ورما''، ''قمر رئیس''، ''اسرار الحق مجاز'' اور ''اولڈ انڈیا ہاؤس'' وغیرہ ایسے ہی خاکے ہیں۔

''اولڈ انڈیا ہاؤس'' کسی شخص کی نہیں بلکہ کافی ہاؤس کی داستان ہے۔ جہاں شخصیتیں سنورتی تھیں۔ ادیبوں، مفکروں اور مصوروں کا جماوڑا ہوتا تھا۔ لکھنؤ کے ایک کافی ہاؤس پر خاکہ لکھنا ان ہی کا کمال تھا۔ اس کافی ہاؤس میں ہر پڑھا لکھا آدمی آتا۔ عابد سہیل کے لفظوں میں :

''سنا ہے پنڈت نہرو، کے ڈی مالویہ، رفیع احمد قدوائی، اندر کمار گجرال، کیسکر بھی ملک کی آزادی سے پہلے کبھی کبھی یہاں آتے تھے۔ جدوجہد آزادی کے دنوں میں چند لمحے سکوں کے گزارنے کے لیے۔ ڈاکٹر علیم کے ساتھ *New Indian Literature* کے ایڈیٹر ملک راج آنند اور *Twilight in Delhi* کے مصنف احمد علی بھی۔'' (کھلی کتاب۔ عابد سہیل۔ خاکوروی پریس لکھنؤ، ۲۰۰۴ء، ص:۱۶۹)

''راجیش شرما'' ایسا خاکہ ہے جس میں بیانیہ اسلوب کا جوہر موجود ہے۔ اس خاکہ میں عابد سہیل نے ان کے حال و احوال، شوق، ادب فہمی اور انسان دوستی کی ایک اچھی تصویر پیش کی ہے۔ عقیدت اور جذباتیت سے لبریز اس خاکہ کو بہت سے ناقدوں نے سراہا ہے۔

عابد سہیل کے خاکے اپنے عہد کی آواز اور اپنی تہذیب کے آئینہ دار بن گئے ہیں۔ ان کے خاکوں میں لکھنوی تہذیب، سماجیات، معاشرت، معاشیات اور اس کی آب و ہوا پوری طرح قائم ہے۔ انہوں نے اپنے

خاکوں کو محدود نہیں ہونے دیا ہے۔ جس شخص سے ان کے مراسم رہے ان پر ایک خاکہ لکھ دیا۔

آل احمد سرور کا شمار صف اول کے ناقدوں میں ہوتا ہے۔ عابد سہیل نے ان پر بھی خاکہ لکھا ایک ایسا خاکہ جس کے وہ حقدار تھے۔ یہ خاکہ بے حد دلچسپ، پر لطف، سبق آموز اور معلوماتی ہے۔ اس میں آل احمد سرور کے کئی پوشیدہ راز بھی موجود ہیں اور ان کی انسان دوستی، وفاداری، طالب علموں کی ہمت افزائی اور اردو ادب سے والہانہ لگاؤ کا تذکرہ بھی شامل ہے۔

عابد سہیل نے اپنے خاکوں میں اس وقت کے لکھنو کے حالات، شعر و شاعری کا دور، انگریزوں کا تسلط، جنگ آزادی کے لیے احتجاج، ترقی پسند مصنفوں کی کانفرنس، افراتفری کا ماحول، آپسی انتشار، شاعروں، ادیبوں کی اہمیت، لکھنو یونیورسیٹی کا ماحول اور اس کی مٹتی ہوئی تہذیب، اس وقت کا ہندوستان، اس کی عظمت، سب کچھ پر نظر ڈالی ہے۔ اس عہد میں لکھنوی تہذیب کا زوال پھر ایک تہذیب ختم ہوکر دوسری تہذیب کا آنا اور پورے نظام کا بدل جانا، ان ساری باتوں کو عابد سہیل نے بڑی فنکاری سے پیش کیا ہے۔

''کتاب'' لکھنؤ خاکہ نگاری کی تاریخ کا پہلا خاکہ ہے جو کسی رسالے پر لکھا گیا ہے۔ عابد سہیل ''کتاب'' نام کا ایک رسالہ نکالتے تھے جو انہیں حد سے زیادہ عزیز تھا۔ اس کے بند ہوجانے کا غم انھیں برسوں ستاتا رہا۔ یہ خاکہ اردو دنیا میں بے حد مقبول ہوا۔ ماہنامہ ''کتاب'' کے انہوں نے کئی خاص نمبر نکالے۔ اس میں بڑے بڑے لکھنے والوں کے ساتھ ساتھ نئے لکھنے والوں کو بھی جگہ دی جاتی تھی۔ عابد سہیل کی شخصیت کی تشکیل میں بھی اس رسالہ نے بہت اہم رول ادا کیا ہے۔ اس کی ادارت کرتے کرتے وہ خود ایک اچھے مصنف بن گئے اور لکھنے والوں کے ساتھ بھی ان کے اچھے تعلقات قائم ہوگئے۔

عابد سہیل کی خاکہ نگاری کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ مزاح کا عنصر برقرار رکھتے ہیں جس سے خاکہ کے حسن میں اضافہ ہوجاتا ہے اور پڑھنے کے بعد ایک مسرت اور تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ خاکہ ''محمد فائق'' کے اس اقتباس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے :

''فائق نے دوسری شادی کرلی تھی۔ کام کچھ کرتے نہ تھے۔ مجاہد آزادی ہونے کی پنشن سے کام چلاتے۔ میں نے پوچھا دوسرے گھر کا خرچہ کیسے چلاتے ہو، بولے، اللہ مسبب الاسباب ہے۔ تھوڑی دیر بعد کہا، کتا گھر میں گھس آتا ہے تو لکڑی کا چیلا ہاتھ میں لے کر بھگاتے بھگاتے دوسروں کے گھر تک چلے جاتے ہیں۔ امی کا پاندان کھول کر دو دانے منہ میں ڈال لیتے ہیں تو دو ڈلی جیب میں۔ یوں ہی مزے سے کٹ رہی ہے۔'' (پورے آدھے ادھورے، عابد سہیل، عرشیہ پبلی کیشن، ۲۰۱۴ء۔ ص ۴۱)

عابد سہیل جن پر خاکہ لکھتے ہیں کھل کر لکھتے ہیں۔ بہت ہی بیبا کی سے شخصیت کی پوشیدہ تہوں کو کھولتے ہیں اور بالکل نڈر ہوکر خاکہ لکھتے ہیں۔ یہی خوبی انہیں دوسرے خاکہ نگاروں سے ممتاز کرتی ہے۔

احتشام حسین سے عابد سہیل کو بڑی محبت تھی۔ انہوں نے ان پر ایک خاکہ ''احتشام حسین'' لکھا جو ادبی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا۔ عابد سہیل نے احتشام حسین کی ادبی لیاقت، مجلسی زندگی، تنقید فہمی اور ان کی ادب سے محبت، ان ساری باتوں کو یکجا کردیا ہے اور قاری کی دلچسپی کے لیے بیچ بیچ میں مزاحیہ عنصر بھی ڈالا ہے۔

عابد سہیل کے خاکوں میں معروف قلمکاروں کے ساتھ دوست، رشتہ دار اور اساتذہ کے خاکے ملتے ہیں۔ ان کے خاکوں کو پڑھ کر غم زدہ شخص بھی خوشی اور تازگی محسوس کرتا ہے۔

عابد سہیل نے جن لوگوں پر خاکہ لکھا ہے ان کی ساری معلومات حاصل کرکے، پوری طرح غیر جانبدار ہوکر، طنز و مزاح کا عنصر ڈال کر، غیر ضروری تفصیل کو چھوڑ کر تصنع اور بناوٹ سے ہٹ کر بہت ہی دلکش انداز میں لکھا ہے۔ وہ خاکہ لکھتے وقت سبق آموز پہلو کو ضرور شامل کرتے ہیں۔ ان کے خاکے اپنے وقت کی آواز ہیں۔

شمس الرحمٰن فاروقی پر لکھا گیا خاکہ بھی ادبی حلقوں میں خوب سراہا گیا، دونوں میں نظریاتی اختلاف تھا اس کے باوجود عابد سہیل نے پوری ایمانداری سے ان پر خاکہ لکھا اور ان کی عظمت کا کھلے طور پر اعتراف کیا۔

☆ **ماحصل :**

عابد سہیل کا اپنا ایک خاص اسلوب ہے۔ عام طور پر ان کے خاکوں کا اسلوب سیدھا سادہ ہوتا ہے لیکن اس میں مزاح کا عنصر ڈال کر وہ اسلوب کو دلکش بنا دیتے ہیں۔ چونکہ وہ ایک اچھے افسانہ نگار تھے۔ اس لیے ان کے بیشتر خاکوں میں افسانوی اسلوب پورے آب و تاب کے ساتھ نظر آتا ہے۔ ان کے خاکوں کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ انہوں نے جہاں سے مناسب سمجھا وہیں سے خاکے کا آغاز کردیا اور خاکے کو ایک ایسے موڑ پر ختم کردیا کہ قاری کو آگے پڑھنے کا ذوق ابھرتا رہے۔

عابد سہیل کے خاکوں کی زبان عام فہم، سادہ اور سلیس ہے۔ مختصر یہ کہ عابد سہیل اردو خاکہ نگاری کے ایک اہم ستون ہیں۔ اردو خاکہ نگاری میں ان کا نام ہمیشہ ادب و احترام سے لیا جاتا رہے گا۔

کتابیات :

(۱) کھلی کتاب، عابد سہیل، خاکوروی، پریس لکھنؤ۔ ۲۰۰۴ء

(۲) آدھے ادھورے پورے، عرشیہ پبلی کیشن ۲۰۱۴ء

(۳) اردو ادب میں خاکہ نگاری، ڈاکٹر صابرہ سعید، ایجوکیشن پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔ ۲۰۱۹ء

☆☆☆

گوشۂ ڈاکٹر دوست محمد خاں

تعارف بقلم خود

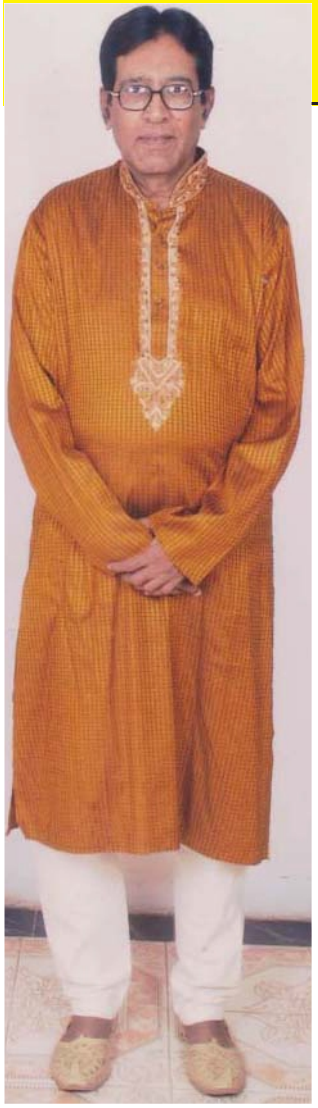

نام : دوست محمد خان فیض محمد خان

تاریخ پیدائش و مقام : یکم نومبر ۱۹۴۷ء، چھاؤنی، اورنگ آباد (مہاراشٹر)

(۱) تعلیمی سفر:(i) ایس ایس سی (۱۹۶۲ء) چیلی پورہ ہائی اسکول اورنگ آباد (ii) پی یو سی (سائنس) (۱۹۶۳ء) گورنمنٹ کالج اورنگ آباد (iii) پی پی سی (سائنس) (۱۹۶۵ء) مولانا آزاد کالج (iv) بی ایس سی (اسپیشل کیمسٹری) (۱۹۶۸ء) ملند کالج آف سائنس اورنگ آباد (v) بی ایڈ (۱۹۷۱ء) مرہٹواڑہ کالج آف ایجوکیشن (یونیورسٹی میں تیسرا مقام) (vi) ایم ایڈ (۱۹۷۲ء) گورنمنٹ بی ایڈ کالج (یونیورسٹی میں پہلا مقام) (vii) ایم اے (سائیکولوجی) (۱۹۷۶ء) (یونیورسٹی میں تیسرا مقام) (viii) پی ایچ ڈی (سائیکولوجی) (۱۹۷۸ء) بامو یونیورسٹی (ix) ایم اے (اردو) (۱۹۹۱ء) (یونیورسٹی میں پہلا مقام)

(۲) ملازمت :(i) معلم (۱۹۶۹ء) مولانا آزاد اردو ہائی اسکول اورنگ آباد (ii) معلم ہولی کراس انگلش ہائی اسکول اورنگ آباد (۷۲-۱۹۷۱ء) (iii) لیکچرر مرہٹواڑہ کالج آف ایجوکیشن (۱۹۷۳ء تا ۲۰۰۷ء) (iv) پرنسپل مرہٹواڑہ کالج آف ایجوکیشن (۱۹۹۹ء تا ۲۰۰۹ء) (v) ڈائریکٹر آف ایجوکیشن مرہٹواڑہ کالج آف ایجوکیشن (۲۰۰۹ء تا ۲۰۱۲ء)

(۳) پروفیشنل (امتیازی کارہائے نمایاں)

(i) چیرمین (بورڈ آف اسٹڈیز) نفسیات (۱۹۹۵ء تا ۲۰۰۳ء) (ii) ڈین شعبہ ایجوکیشن اور فزیکل ایجوکیشن (۱۹۹۸ء تا ۲۰۰۳ء) (iii) پی ایچ ڈی گائیڈ (ایجوکیشن انڈر ڈسپلنری) (۱۹۸۳ء سے اب تک) (iv) دوران پرنسپل شپ ۲۰۰۴ء میں مرہٹواڑہ کالج آف ایجوکیشن کو NAAC نے A+ گریڈ سے نوازا۔ (v) ۲۰۰۶ء میں NAAC ٹیم ممبر اور NCTE ٹیم ممبر کی حیثیت سے نیشنل سطح پر انتخاب عمل میں آیا۔ (vi) مہاراشٹرا ایجوکیشن چیپٹر کے چیرمین کی حیثیت سے انتخاب۔

(۴) فنِ موسیقی میں کارہائے نمایاں :

(i) میوزک وشارد (بی اے) ۱۹۸۲ء (مرہٹواڑہ میں پہلا مقام) (ii) ایم اے (موسیقی) ۲۰۱۴ء گورنمنٹ کالج آف آرٹس سائنس اورنگ آباد، بامو (یونیورسٹی میں پانچواں مقام) (iii) اَپروڈ غزل سنگر (آل انڈیا ریڈیو آکاشوانی اورنگ آباد) ۱۹۸۸ء (iv) اورنگ آباد آکاشوانی ہندی بھجن کنسرٹ ۱۹۹۰ء میں شمولیت۔

غزل کی تین سی ڈیز :(i) ''یاد تیری رات گئے آئی'' (۲۰۰۴ء) (ii) ''غزل کا سفر دکن سے دلّی'' (۲۰۱۰ء) (iii) ''غزل کی واپسی دلّی سے دکن'' (۲۰۱۶ء) (ان تینوں سی ڈیز کے غزلوں کی دھنیں خود کی تیار کردہ ہے۔)

کتاب : غزل گائن۔ ۲۰۰۴ء

غزل کے پروگرام : مہاراشٹر کے تمام شہروں اور مرہٹواڑہ کے تمام اضلاع میں اس کے علاوہ لدھیانہ، چندی گڑھ، پھگواڑہ، میرٹھ، بھوپال، اندور، حیدرآباد، گلبرگہ، بھلائی، کشتواڑ (سرینگر)، جموں، کلکتہ، مغربی بنگال، راجستھان، جے پور، گجرات (آنند) وغیرہ میں بھی پروگرام منعقد ہوئے۔

(۵) مختلف ایوارڈس اور پُرسکار :

(i) ''ایکسلنس ایجوکیشن ایوارڈ'' (یکم مارچ ۲۰۰۶ء) (نیشنل ایجوکیشن اور ہیومن ریورس ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن، ممبئی) (ii) آدرش پراچاریہ ایوارڈ (۲۰۰۴ء) رما پرتشٹھان (iii) الجزیرہ ایوارڈ (۲۰۱۸-۵-۱۰) روزنامہ 'الجزیرہ' (iv) ''کوالٹی انہانس منٹ اِن ہائر ایجوکیشن'' ۶ر جنوری ۲۰۱۵ء نارتھ مہاراشٹر یونیورسٹی جلگاؤں (بتوسط اقراء کالج آف ایجوکیشن جلگاؤں) (v) ''بیسٹ سانگ ایوارڈ'' (۲۰۰۴ء) مولانا آزاد ایجوکیشن سوسائٹی (vi) ''غزل بولتے تیوہاں'' ایوارڈ ۲۹ر اپریل ۲۰۰۹ء (vii) ''سوشل ایوارڈ'' (۲۵ر اگست ۲۰۱۷ء) اویرنس گروپ عثمان آباد (viii) "Luceat lux vestra" ایوارڈ (۱۹۸۲ء) سینٹ فرانسس ڈی سیلس ہائی اسکول اورنگ آباد (ix) ''اپریسٹیشن ایوارڈ'' (۱۵ر اگست ۲۰۰۳ء) اقراء ایجوکیشن اینڈ ویلفیئر سوسائٹی، احمدنگر (x) ''لائنس کلب ایوارڈ'' اورنگ آباد (۵ر ستمبر ۲۰۰۸ء) ویژن اور مشن (xi) لبریٹنگ، لرننگ (۷ر جون ۲۰۱۳ء) گجرات چیپٹر (xii) نیشنل ورک شاپ آن ریسرچ پروپوزل رائٹنگ۔ ۲۷-۲۸ر فروری ۲۰۱۱ء، نارتھ مہاراشٹر یونیورسٹی جلگاؤں (xiii) سہ ماہی 'عکس ادب' ایوارڈ (۲۰۱۸ء) (xiv) گجراتی سماج ایجوکیشن ایوارڈ (۲۰۱۵ء) اندور (xv) ''گرو گورو پرسکار'' (۵ر ستمبر ۲۰۲۱ء) مراٹھی بھاشا وکاس منچ (اردو مادھیم) (xvi) کرک شیتر یونیورسٹی (IAAP) ایوارڈ (۱۴ر فروری ۲۰۱۹ء) ☆☆☆

ڈاکٹر دوست محمد خان سے ایک ملاقات

ملاقاتی : نورالحسنین

(ڈاکٹر دوست محمد خان آج غزل گائیک کی حیثیت سے سارے ہندوستان میں اپنی ایک شناخت بنا چکے ہیں۔ ان کی آواز میں اجنتا اور ایلورہ کے سنگ تراشوں کے تیشوں کی کھنک، صوفیوں اور سنتوں کی بارگاہوں سے اٹھنے والی دھمک، جھرنوں کی لہک، اردو کی طرح شیرینی، ولی کا جمال اور سکندر علی وجد کا جلال محسوس ہوتا ہے۔ نہ کسی کی تقلید کی نہ کسی کی انگلی تھامی جو کچھ پایا اپنی خداداد صلاحیتوں سے پایا۔ اسی لیے سادگی کا پیکر یہ فنکار آج بھی ریاض کے سمندر میں غوطے لگاتا ہے۔)

نورالحسنین : ڈاکٹر دوست محمد خان میں چاہوں کہ آپ سب سے پہلے کچھ اپنے خاندانی پس منظر پر روشنی ڈالیں۔

دوست محمد خان : حسنین صاحب! میرا خاندان چار بھائیوں اور دو بہنوں پر مشتمل ہے۔ اللہ کے فضل سے سب ہی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور خوشحال زندگی گزار رہے ہیں۔ میرا تعلق ایک فوجی گھرانے سے ہے۔ میرے دادا برٹش آرمی میں لفٹنٹ کے عہدے پر فائز تھے۔ والد صاحب بھی فوجی تھے بلکہ وہ سیکنڈ ورلڈ وار میں برٹش آرمی کی جانب سے جاپان کے خلاف جنگ میں مصروف بھی رہے۔ پھر جب جنگ ختم ہوگئی تو دوبارہ پولس انسپکٹر کے عہدے پر فائز رہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے ہندی اور گجراتی فلموں میں بھی کام کیا۔ گو اُن کے رول زیادہ بڑے نہیں تھے۔

نورالحسنین : کیا آپ اُن فلموں کے نام بتا سکتے ہیں جن میں آپ کے والد صاحب نے کام کیا تھا؟

دوست محمد خان : جی ہاں۔ وہ فلمیں تھیں: ''آرزو'' ''ہلچل'' اور ''ایک تھی لڑکی'' اور ایک گجراتی فلم ''چوڑی چاندلو''

نورالحسنین : ان میں دو فلمیں تو دلیپ کمار صاحب کی تھی۔

دوست محمد خان : جی ہاں! تو صاحب اسی فوجی گھرانے میں یکم نومبر ۱۹۴۷ء کو شہر اورنگ آباد کی چھاؤنی میں میری پیدائش ہوئی۔ میری ننھیال کا تعلق والوج کے بڑے زمینداروں سے تھا۔

نورالحسنین : گویا آپ جئے جوان جئے کسان کی تعبیر ہیں؟

(دونوں ہنستے ہیں)

نورالحسنین : آپ کے والد اور دادا ملٹری میں تھے تو آپ کے دل میں یہ خواہش کیوں نہیں پیدا ہوئی کہ آپ کو بھی ملٹری ہی میں ہونا چاہئے؟

دوست محمد خان : حسنین صاحب! میری دلی تمنا تھی کہ ملٹری کو جوائن کروں اور میں دو مرتبہ لفٹنٹ کے عہدے کے لئے منتخب ہوا مگر بینائی کی کمزوری کی وجہ سے میڈیکل انفٹ قرار دیا گیا۔

نورالحسنین : آپ کی ابتدائی زندگی اور تعلیم و تربیت پر کچھ روشنی ڈالیں۔

دوست محمد خان : میرا بچپن کافی خوشحالی میں بیتا لیکن سقوط حیدرآباد کے بعد وہ حالات نہیں رہے۔ ابتدائی تعلیم چھاؤنی کے ڈھابے کے اسکول میں ہوئی۔ مڈل تک تعلیم اورنگ آباد کے ایک محلے عثمانپورہ کے اسکول میں حاصل کی اور میٹرک میں نے چیلی پورہ کے اسکول سے کامیاب کیا تھا۔ صاحب اسکول کی خاطر ہر روز پانچ میل تک پیدل چلنا ہوتا تھا۔ بڑی جدوجہد کی زندگی تھی وہ۔ اس کے بعد شہر کے مختلف کالجوں میں میری پڑھائی ہوئی، جن میں ملند کالج، گورنمنٹ کالج، مولانا آزاد کالج شامل ہیں۔ میں نے بی ایس سی، کیمسٹری سے کامیاب کیا۔ اتفاق سے مجھے مولانا آزاد ہائی اسکول میں بحیثیت مدرس خدمت کا موقع مل گیا جہاں میں نے ایک سال اپنی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۷۰ء میں میں نے بی ایڈ کرنے کی خاطر مراٹھواڑہ کالج آف ایجوکیشن میں داخلہ لے لیا اور یونیورسٹی میں امتیازی درجہ میں کامیابی حاصل کی۔ اس کامیابی کی وجہ سے مجھے ہولی کراس انگلش ہائی اسکول میں ملازمت مل گئی۔ میں نے ایم ایڈ میں بھی امتیازی کامیابی حاصل کی تھی جس کے نتیجے میں مجھے مراٹھواڑہ کالج آف ایجوکیشن میں لیکچرر شپ مل گئی۔

نورالحسنین : آپ کا تعلیمی کریئر تو بہت ہی شاندار رہے پھر آپ گائیکی اور موسیقی کی طرف کیسے راغب ہوئے؟

دوست محمد خان : گائیکی کا شوق مجھے بچپن ہی سے تھا۔ اُس کی یہ وجہ تھی کہ ہمارے گھر میں گراموفون تھا۔

بےشمار ریکارڈز تھے۔ جن میں فلمی گیت، کلاسیکی گائیکی اور غزلیں شامل تھیں۔ جنھیں والد صاحب نہایت شوق سے سنتے تھے۔ میں بھی انھیں سنتا تھا اور گاتا بھی تھا۔ کالج کے پروگراموں میں، دوستوں کی محفلوں میں، خاندان میں ہونے والی تقریبات میں، کبھی فلمی گانے اور کبھی غزلیں گاتا۔ سبھی میری گائیکی کو پسند کرتے تھے۔ حالانکہ میں بنا سازوں کے گاتا تھا مجھے اس بات کا بھی شدید احساس تھا کہ مجھے باضابطہ گائیکی کی تعلیم حاصل کرنا چاہئے۔ چنانچہ ۱۹۷۶ء میں میں نے شہر اورنگ آباد کے مشہور کلاسیکی گائیک پنڈت ناتھ نرڑکر کی شاگردی قبول کی۔ جن سے میں نے باضابطہ کلاسیکی گائین، غزل گائیکی، سُر اور تال سے واقفیت حاصل کی۔

نورالحسنین : بھئی میں نے یہ دو لفظ سُر اور تال بہت بار سنے ہیں، اپنی ریڈیو کی ملازمت میں کسی اچھی آواز والے کے لیے بھی ہمارے میوزک کے پروگرام ایکزیکیٹو یہی کہتے تھے کہ وہ سُر اور تال میں نہیں ہے۔ خان صاحب یہ سُر اور تال کیا ہے؟ کچھ ہمیں بھی بتایئے۔

دوست محمد خان : حسنین صاحب! آوازیں دو قسم کی ہوتی ہیں: ایک کہلاتی ہے 'سُر' اور دوسری 'کولاہل' یا 'رَد' کچھ لوگ بات چیت کی آواز کو بھی ایک قسم کا سُر مانتے ہیں۔ اسے اس طرح سمجھتے ہیں جب کوئی آواز باقاعدہ لرزشوں سے مل کر بنتی ہے تو اُسے سُر کہتے ہیں۔ جیسے کوئل کی کوک یا گھنٹی کی آواز، گھومتے پنکھے کی آواز وغیرہ اور اگر آواز بے قاعدہ یا پیچیدہ اور ملاوٹی لرزشوں سے بنتی ہے تو اُسے 'کولاہل' کہتے ہیں۔ مثلاً ایک پتھر کو دوسرے پتھر پر مارنے سے پیدا ہونے والی آواز۔ بول چال کی آواز کو ان دونوں کے بیچ کی آواز سمجھا جاتا ہے۔

نورالحسنین : اوہ

دوست محمد خان : اب دیکھئے، یہی آواز جسے ہم سُر کہتے ہیں سننے میں میٹھی اور کانوں کو بھلی لگتی ہے اور دل میں اُترتی ہے لیکن کولاہل سے سمع خراشی اور بے چینی سی محسوس ہوتی ہے۔ یہ آپ کا بھی تجربہ ہوگا کچھ لوگوں کی آواز بات چیت کے دوران بھی کانوں کو بھلی لگتی ہے۔ اس کے برخلاف کچھ لوگوں کی آوازیں بھدی لگتی ہیں جسے ہم بہت دیر تک سننا پسند نہیں کرتے۔ اسی لئے موسیقی میں سُر کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

نورالحسنین : خان صاحب تو پھر سُر کے کچھ اقسام بھی ہوتے ہوں گے؟

دوست محمد خان : جی ہاں! 'شُدھ سُر' (خالص سُر) سات ہوتے ہیں : सा रे ग म प ध नी ان میں सा اور प اچل سُر ہوتے ہیں۔ یعنی وہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹتے، لیکن باقی پانچ سُروں کے دو دو روپ ہوتے ہیں۔ انھیں 'کومل' اور 'تیور' سُر کہتے ہیں۔ جب کوئی سُر اپنی قائم کردہ آواز سے نیچے اُترتا ہے تو 'کومل سُر' کہلاتا ہے اور جب کوئی سُر اپنی آواز سے اونچا ہوتا ہے تو اُسے 'تیور' سُر کہتے ہیں۔ ان سُروں کو اس طرح لکھتے ہیں۔ सा रे ग म प ध नी یہ شُدھ سُر ہیں۔ ان میں सा اور प اچل سُر ہوتے ہیں اور اب جو باقی پانچ سُر ہوتے ہیں انھیں ہم اس طرح لکھتے ہیں : रे रे, ग ग म मे, ध ध नी नी جن سروں پر کوئی علامت نہیں ہے وہ شُدھ سر ہیں لیکن جن سروں کے نیچے ایک چھوٹی آڑی لکیر ہے انھیں 'کومل سُر' کہتے ہیں۔ جیسے रे, ग म ध नी لیکن म پر کھڑی لکیر ہوتی ہے، جو تیور کو ظاہر کرتی ہے۔ گویا صرف म کومل نہیں ہوتا بلکہ 'تیور' ہوتا ہے۔ اس طرح شدھ، کومل اور تیور ملا کر کل بارہ سُر ہوتے ہیں اور ان ہی سُروں کی مختلف ترتیب سے (پانچ، چھ اور سات) راگ بنتے ہیں۔ ایک راگ میں کم سے کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ سات سُر ہوتے ہیں جیسے ''راگ یمن'' میں ساتوں سُر ہوتے ہیں۔

اور اب بات کرتے ہیں تال کی۔ بھرت منی نے وقفہ ناپنے کے آلہ کو 'تال' کہا ہے۔ جس طرح کسی زبان میں قواعد کی ضرورت ہوتی ہے اُسی طرح موسیقی میں 'تال' کی ضرورت ہوتی ہے۔ گانے، بجانے اور ناچنے کی خوبصورتی تال سے ہی بنتی ہے۔ لفظ 'تال' ایک دھات 'تَلو' سے بنا ہے۔ موسیقی (گانا، بجانا اور ناچنا) میں 'تال' سہارا دینے، منظّم کرنے اور تسلسل برقرار رکھنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ طبلہ، پکھواج، ڈھولک جیسے سازوں سے جب گانے کے وقفوں کو ناپا جاتا ہے تو ایک خاص قسم کا سرور ملتا ہے۔ صحیح معنوں میں تال موسیقی کی جان ہے۔ موسیقی کی عمارت 'تال' پر کھڑی ہوئی ہے۔ اسی طرح 'ماترا' تالوں کی لمبائی بتانے والی اکائی ہے۔ جس طرح علم عروض میں بحروں کی لمبائی کے لیے فاعلاتن، فاعلن، فعولن وغیرہ الفاظ کا استعمال ہوتا ہے۔ اُسی طرح 'ماترا' کا بھی استعمال ہوتا ہے۔ 'ماترا' 'تال' ہی کا ایک حصہ ہے۔ کیونکہ ماتراؤں کے اجتماع سے ہی تال بنتے ہیں۔ جیسے ایک تال میں بارہ ماترے ہوتے ہیں۔ تین تال میں سولہ ماترے، کیروا میں چار، دادرا میں چھ، جھپ تال میں دس ماترے وغیرہ۔ دادرا کو اس طرح لکھتے ہیں: धा धी ना, धा तू ना اور کیروا کے لئے धागे नाके नाके धिन وغیرہ۔ ایک سی 'لئے' یا 'چال' میں گنتی کو ماترا کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر گھڑی کے ایک سیکنڈ کو ہم ایک ماترا مان لیں تو سولہ سیکنڈ میں 'تین تال' کا ٹھیکہ بن جائے گا۔ چار سیکنڈ میں 'کیروا' اور دس سیکنڈ میں 'جھپ تال' بن جائے گا۔ اسی طرح کئی تالیں وجود میں آئیں۔ اسی کی ایک کڑی ہے 'لئے'۔ تال میں ایک ماترا اور دوسری ماترا کے درمیان جو وقفہ ہوتا ہے اُسے 'لئے' کہتے ہیں۔ اس وقفے کو کم یا زیادہ کیا جا سکتا ہے اور اسی طرح 'لئے' کم ہوتی ہے یا بڑھتی ہے۔ 'لئے' تین قسم کی ہوتی ہے۔ (ا) دھیمی لئے

(विलंबित) (۲) درمیانی لئے (मध्य) (۳) تیز لئے (द्रत) جس کی لئے بہت دھیمی ہو، اُسے دھیمی لئے کہتے ہیں۔ دھیمی لئے کا اندازہ درمیانی لئے سے یوں لگایا جاتا ہے۔ ایک منٹ میں آپ نے ایک سی چال سے ساٹھ تک گنتی کی تو اُسے آپ اپنی درمیانی لئے مان لیجئے۔ اس کے بعد اسی ایک منٹ میں ایک سی چال سے آپ نے تیس تک گنتی کی تو اُسے دھیمی لئے کہیں گے۔ مطلب تیس تک گنتی جو گنی گئی اُس کی لئے ساٹھ والی گنتی کے مقابل دھیمی ہوگئی اور اس طرح ہر گنتی میں کچھ دیر لگی تب विलंबि के معنی ہیں دیر۔ جس لئے کی چال विलंबित سے تیز اور 'تیز لئے' سے کم ہو 'درمیانی' کہلائے گی اور جس لئے کی چال درمیانی لئے سے دگنی اور دھیمی لئے سے چوگنی ہو تو اُسے تیز لئے کہیں گے۔ اس طرح ان 'ماتراؤں' اور 'لئے' کی مدد سے کوئی تال وجود میں آتی ہے اور ہر تال تین طرح سے بجائی جاسکتی ہے۔

نورالحسنین : خان صاحب! آپ نے سُر، تال اور لئے پر اتنی تفصیلی روشنی ڈالی کہ مجھ جیسا غیر گائیک بھی ان کے بارے میں بہت کچھ جان گیا ہے۔ اب اپنے اس موسیقی اور گائیکی کے سفر کے بارے میں کچھ باتیں بتادیں۔

دوست محمد خان : حسنین صاحب! جیسے میں نے آپ کو بتایا کہ گائیکی میرے بچپن کا شوق تھا لیکن میں نے موسیقی کا علم انتیس برس کی عمر ہونے کے بعد شروع کیا۔ آپ کو تعجب ہوگا اُس وقت میری کلاس فیلو ایک نو سال کی بچی تھی لیکن میرے گرو کی ہمت افزائی نے مجھے کبھی احساس کمتری کا شکار ہونے نہیں دیا اور آخر کار میں نے ۱۹۸۲ء میں موسیقی کا विशारद نامی امتحان کامیاب کرلیا۔

نورالحسنین : آپ ایک تعلیم یافتہ فرد ہیں اور اپنے گائیکی کے شوق میں اُس طرف متوجہ ہوئے تو آپ کے خاندان کے افراد، دوست احباب کا سلوک آپ کے ساتھ کیسا تھا؟

دوست محمد خان : میں اس معاملے میں خوش قسمت ہوں۔ چونکہ ابتداء ہی سے گائیکی کا دیوانہ تھا اس لئے گھر سے بھی ہمت افزائی ملی۔ (خاص طور پر والد محترم) دوست احباب نے بھی پیٹھ ٹھونکی۔ لیکن میری گائیکی اُتار چڑھاؤ سے گزرتی رہی۔ جب میری عمر تیس برس کی ہوئی تو میں مراٹھواڑہ کالج آف ایجوکیشن کا پرنسپل بنا دیا گیا۔ اس کے علاوہ ڈین آف فیکلٹی کا عہدہ بھی میرے سر آ گیا تو میری مصروفیت بڑھ گئی۔ جس کی وجہ سے میں اپنے شوق سے دور ہونے لگا، میرے گرو جی نے ۲۰۱۲ء میں میرے ریٹائرمنٹ کے بعد مجھے موسیقی سے ایم اے کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ میں نے محنت کی اور ۲۰۱۴ء میں امتحان بھی میرٹ کے ساتھ کامیاب کیا۔ علم کا حصول میری زندگی کا ایک بڑا مقصد تھا چنانچہ میں نے دورانِ ملازمت اردو سے ایم اے بھی ٹاپ کلاس میں کامیاب کیا۔ سائیکالوجی میں بھی ایم اے کیا اور پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کی۔

نورالحسنین : خان صاحب! ایک طرف تدریسی ذمہ داریاں، دوسری طرف جنون کی حد تک گائیکی کا شوق، آپ نے دونوں کے ساتھ انصاف کس طرح کیا؟

دوست محمد خان : اگر دل میں سچی لگن ہو اور انسان ٹھان لے کہ اپنے ٹارگیٹ تک پہنچنا ہی ہے تو سب کچھ ممکن ہوجاتا ہے۔ میں صبح باقاعدگی سے گائیکی کا ریاض کرتا ہوں۔ دس سے پانچ بجے تک کالج کی مصروفیت رہتی تھی۔ اس کے بعد میں پھر موسیقی کی دنیا میں ہوتا، کبھی طالب علم کی طرح اور کبھی ریاض کی صورت میں۔ شام میں اکثر محفلیں سجتی تھیں، میں اُن میں بھی حصہ لیتا تھا۔ اس طرح میں نے اپنی گائیکی میں بھی نام کمایا اور جس کالج کا میں پرنسپل تھا اسے NAAC میں +A کا اعزاز بھی دلایا۔

نورالحسنین : یہ بتائیے آپ نے سازوں کے ساتھ پہلا پروگرام کہاں پر پیش کیا تھا؟

دوست محمد خان : اورنگ آباد میں مولانا آزاد کالج میں ۱۹۶۴ء میں ممتاز اور نہایت مقبول شاعر سکندر علی وجدؔ کے فن کے اعتراف میں ''شامِ وجدؔ'' منائی گئی تھی۔ تب میں نے پہلی بار سازندوں کے ساتھ وجدؔ صاحب کی دو غزلیں اپنی ہی بنائی ہوئی دھنوں میں گائی تھیں جنھیں بے حد پسند کیا گیا تھا۔ اُس کے بعد یہ سلسلہ شروع ہوگیا جو آج تک جاری ہے۔

نورالحسنین : آپ نے اپنی گائیکی کے فن کا مظاہرہ کس کس شہر میں کیا ہے؟

دوست محمد خان : ابتداء میں مراٹھواڑہ کے سارے اضلاع میں تواتر کے ساتھ گائیکی کے پروگرام پیش کئے۔ جس کی وجہ سے میری شہرت سارے مہاراشٹر میں پھیل گئی اور میں ایک کے بعد دوسرے شہر میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتا رہا۔ مہاراشٹر کے بعد میں نے پنجاب کے شہر لدھیانہ، چندی گڑھ، پھگواڑا، مدھیہ پردیش میں بھوپال، اندور، اتر پردیش کے شہر میرٹھ، آندھرا پردیش میں حیدرآباد، پھر گجرات میں آنند، کرناٹک میں گلبرگہ، کشمیر میں کشتور، جموں، مغربی بنگال کے علاوہ اور بھی بہت سارے مقام ہیں کس کس کا نام لوں۔

نورالحسنین : خان صاحب! آپ نے سولو گائیکی کے ساتھ ہی ساتھ ڈوئٹ بھی پیش کیا ہوگا تو ڈوئٹ میں آپ کے ساتھ سنگت کس کس گائیکا نے کی تھی؟

دوست محمد خان : حسنین صاحب! میں نے ڈوئٹ گائیکی کے لئے کوئی مخصوص جوڑی نہیں بنائی بلکہ کئی خواتین مغنیوں کے ساتھ گایا ہے۔ جن میں لتا مہندر گے، کرونا دیشپانڈے، آرتی پاٹن کر، راگنی کلکرنی، کویتا وٹھی، ویشالی کرتڑیکر، ڈاکٹر چترا دیشمکھ، ڈاکٹر ویشالی دیشمکھ اور سمپدا گوسوامی وغیرہ شامل ہیں۔ ☆☆☆

غزل کا سفر دکن سے دلّی

ڈاکٹر دوست محمد خان کا شاندار کارنامہ

اسلم مرزا (اورنگ آباد)
موبائل :9960053707

بہت زیادہ عرصہ نہیں گزرا، یہی کچھ کم زیادہ تیس پینتیس برساتیں سر پر سے گزر چکی ہوں جب غزل سماعت کا جادو لوگوں کے سر پر چڑھ کر بول رہا تھا۔ کیا دن تھے، کہیں بھی چلے جائیں، ہوٹلیں، شادی بیاہ کی محفلیں، چھوٹے بڑے مکانوں کے مہمان خانے، چائے، پان کے ٹھیلے یا پھر شاہراہوں کے کنارے جگمگاتے ڈھابے، ہر جگہ غزل کے رسیا موجود اور شعر و موسیقی کی دنیا میں غرقاب۔

جہاں تک یاد ہے، ہمارے لڑکپن میں فلمی گلوکاروں کی غزلیں ریڈیو پر اکثر و بیشتر نشر ہوتی رہتی تھیں۔ ہم سنتے اور سمجھنے کی کوشش کرتے کہ ہمارے بزرگ ان سے کیوں اور کس طرح لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ ان دنوں سرفہرست تھے کندن لال سہگل، اپنی برفیلی آواز میں ذوقؔ، غالبؔ، میرؔ اور بہزادؔ لکھنوی کے کلام سے فضاؤں میں رس گھولتے ہوئے۔ ایک ماسٹر مدن کی بھی بہت دھوم تھی۔ جوانی کے شروع دنوں میں ہم طلعت محمود کی ریشمی آواز کے سحر سے دوچار ہوئے۔ پھر محمد رفیع، لتا منگیشکر، آشا بھونسلے اور ثریا کو سننے لگے۔ پاکستان سے نور جہاں، اقبال بانو، فریدہ خانم، حبیب ولی محمد وغیرہ کی غزلیں کبھی کبھی سننے مل جاتی، لیکن بیگم اختر کی غزل گائکی نے ہمیں عجیب روحانی انبساط سے سرشار کیا۔ استاد امانت خان کے بھی کچھ ریکارڈ سنے اور ان کے بعد جس نے غزل گائکی کے فن کو بلندیاں عطا کیں وہ تھے مرحوم استاد مہدی حسن خان۔ انھی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے غزل گائکی کی کائنات میں داخل ہوئے غلام علی، جگجیت سنگھ، پنکج ادھاس، ہری ہرن، آدنیہ سرینواسن، بھوپندر اور دو بھائی احمد حسین اور محمد حسین جو آج بھی مقبول ہیں۔

اردو کے قدیم شعرا کی روایتی غزلیں، جو فارسی اور عربی کی ثقیل لفظیات سے مملو تھیں، انھیں بعض غزل گائیکوں نے ہندوستانی کلاسیک موسیقی کی مختلف دھنوں پر ترتیب دے کر گایا ضرور لیکن یہ کم کم ہی مقبول ہوئیں۔ جیسے جیسے اردو غزل میں تبدیلیاں در آئیں تو ان کے پڑھنے اور سننے والوں کا بڑا حلقہ پیدا ہوا۔ اب یہ غزلیں صرف ٹھمری یا خیال تک ہی محدود نہیں رہیں بلکہ غزل گائکی میں نیا اندازِ پیشکش آیا۔ روایتی مزامیر کی جگہ انگریزی سازوں کے استعمال نے غزل گائکی کو نئے ابعاد سے روشناس کیا۔ مشہور ہے کہ جگجیت سنگھ اولین گائک تھے جنھوں نے گٹار کو غزل گائکی میں متعارف کروایا اور ہارمونیم پر کم سے کم تکیہ کیا۔

غزل گائکی کے پہلے بڑے مراکز میں دہلی، ممبئی، حیدرآباد، لکھنؤ اور کلکتہ جیسے شہروں کا شمار ہوتا ہے لیکن آہستہ آہستہ ہندوستان کے دیگر شہروں، بشمول اورنگ آباد کے معتبر غزل گائکوں نے اس فن میں اپنے روز و شب کی مشق اور ریاض سے شہرت حاصل کی۔

اورنگ آباد، جو اٹھارہویں صدی سے اردو کا اہم دبستان ہے اور جہاں ۱۹۵۰ء اور ۱۹۷۰ء کے درمیان شوکت حسین، کریم خان صاحب، مرتضیٰ احمد خان اور مختار احمد خان وغیرہ نے غزل گائکی میں شہرت حاصل کی۔ ان گائکوں نے چونکہ ہندوستانی شاستریہ سنگیت کی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی، اس لیے زیادہ تر اپنے مشہور ہم عصر یا پیش رو غزل گائکوں کی گائی ہوئی

غزلیں ہی گایا کرتے تھے۔ ان غزل گائکوں کے درمیان سنہ ستّر کی دہائی میں ایک نوجوان دوست محمد خان کی آمد ہوئی جنھوں نے نہایت سنجیدگی سے غزل گائکی کو اپنایا۔

دوست محمد خان کے والد فیض محمد خان کلاسیکل موسیقی کے رسیا تھے۔ ان کے گھر میں گراموفون تھا اور وہ چن چن کر غزلوں کے ریکارڈ لاتے اور گراموفون پر گھنٹوں سنتے رہتے۔ یوں کم سنی ہی میں دوست محمد خان کلاسیکل موسیقی سے آشنا ہوئے۔ سُر اور لے کی شدبد ہوئی تو اسکول اور کالج کی پڑھائی کے دوران وہ شوقیہ گانے لگے، لیکن تشفی نہیں ہوئی۔ سننے والے ان کے لحن اور گانے کی تعریف کرتے تھے لیکن انھیں کسی کمی کا احساس تھا اور اسی احساس نے انھیں اورنگ آباد کے مشہور و معروف استادِ موسیقی پنڈت ناتھ راؤ نیرلکر کی خدمت میں زانوئے تلمذ طئے کرا دیا۔ یوں دوست محمد خان نے مزامیر کی بجائے گائکی میں پنڈت نیرلکر کو اپنا استاد بنایا اور باقاعدگی کے ساتھ ان سے شاستریہ سنگیت کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۸۲ء میں انھوں نے

''سنگیت وشارد'' کی سند حاصل کی۔

دوست محمد خان (پیدائش نومبر ۱۹۴۷ء) کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ اپنی غزل گائکی میں ہندوستانی شاستریہ سنگیت کا بھرپور استعمال کرتے ہیں اور خود ہی دھنیں ترتیب دیتے ہیں۔ آج تک صرف اورنگ آباد ہی میں نہیں بلکہ ہندوستان کے بے شمار شہروں میں انھوں نے اپنی غزل گائکی کے چھوٹے بڑے پروگرام پیش کیے ہیں جن میں حیدرآباد، پونہ، جلگاؤں، احمدنگر، بھساول، ناندیڑ، پربھنی، شولاپور، منگرول پیر، اکولہ، گلبرگہ، بیدر، لدھیانہ، چندی گڑھ، میرٹھ، اندور، احمدآباد، آنند، بھگواڑا، جموں وغیرہ شامل ہیں۔

راقم الحروف بھی دوست محمد خان کی غزل گائکی کے مداحوں میں شامل ہے۔ ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ وہ کس طرح طئے کرتے ہیں کہ کون سی غزل کس راگ میں بٹھائی جائے۔ میرا سوال سن کر وہ مسکرائے اور کہنے لگے کہ جس طرح شاعر کو آمد ہوتی ہے اسی طرح میرے ذہن میں مختلف راگ، راگنیاں اور تال گونجتے رہتے ہیں۔ پھر میں یہ دیکھتا ہوں کہ غزل کون سی ہے، کلام کیسا ہے، شاعر کیا کہہ رہا ہے، غزل کی لفظیات اور غزل کا ماحول کیا ہے۔ غزل اگر سنجیدہ موضوعات سے لبریز ہو تو میں راگ باگیسری، مالکوس، تو ڈی، ماروا اور بھیم پلاس میں کمپوز کرتا ہوں۔ کچھ چنچل قسم کی غزلیں ہوتی ہیں انھیں راگ کھماج، پیلو یا یمن میں کمپوز کرتا ہوں۔ میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھتا ہوں کہ کسی مخصوص غزل کے لیے ایسے راگ اور بھاؤ کا انتخاب کروں جو اس غزل میں پوشیدہ احساسات اور جذبات کو سامع کے دل و دماغ سے ہم آہنگ ہو جائے۔ میں اس بات کا حتی الامکان خیال رکھتا ہوں کہ میں کسی کی نقل نہ کروں۔

دوست محمد خان کو اس بات کا علم ہے کہ غزل گائکی مشکل فن ہے اور یہ مسلسل ریاض چاہتا ہے، وہ خود روزانہ ۳/۴ گھنٹے ریاض کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر آپ کی آواز اچھی ہے اور آپ غزل یا کوئی گیت گانا چاہتے ہیں تو آپ کو کلاسیکل موسیقی کی تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس طرح مختلف راگ اور راگنیوں کا علم، ان کا چلن، گانے کا انداز اور سب سے زیادہ اردو زبان کی نزاکتوں سے گہری شناخت ضروری ہے۔ غزل چونکہ شبد پردھان (शब्द प्रधान) گائکی ہے اس میں الفاظ کی ادائیگی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ غزل گائکی میں سب سے زیادہ موثر کن چیز ہوتی ہے پیشکش۔ اس کے بعد گائک کی آواز، کھرج کا ریاض، گلے کی پھرت، مینڈھ، کھٹکا، مرکی اور دم ساز۔ اور ان سب پر حاوی ہوتا ہے تلفظ جو بالکل شدھ ہونا چاہیے۔

دوست محمد خان کہتے ہیں کہ وہ ایسی غزلوں کی دھنیں ترتیب دیتے ہیں جن میں نغمگی ہے، تازگیٔ خیال اور سیدھے سادے لفظوں میں شاعر نے اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کیا ہو۔ سامعین کی ایک بڑی تعداد آج کل ایسی غزلیں پسند کرتی ہے جو حالاتِ حاضرہ سے مطابقت رکھتی ہوں۔

راقم الحروف کو معلوم ہے کہ دوست محمد خان عمر کے اس موڑ پر بھی موسیقی کی مزید تعلیم کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ پنڈت ناتھ راؤ نیرلکر کے بعد انھوں نے ڈاکٹر ویشالی دیشمکھ سے بھی مزید تعلیم حاصل کی تھی اور حال ہی میں ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر مراٹھواڑا یونیورسٹی سے موسیقی میں ایم۔اے کی تعلیم مکمل کر لی ہے۔ اس طرح وہ موسیقی کے قدیم و جدید رجحانات سے خود کو ہم آہنگ کرنے میں مصروف ہیں۔

تقریباً نو۔ دس سال پہلے دوست محمد خان کی گائی ہوئی غزلوں کا ایک سی ڈی ''یاد تیری رات گئے آئی'' شائع ہو کر مقبول عام ہوا تھا۔ کچھ عرصے پہلے ان کا غزلوں کا دوسرا سی ڈی ''غزل کا سفر دکن سے دلی'' غزل کے شائقین کی خدمت میں پیش ہوا۔ اس کیسٹ میں شامل تمام غزلوں کی دھنیں دوست محمد خان نے ترتیب دی ہیں جنھیں اندرنیل۔ وی۔اوک نے ڈیجیٹل موسیقی سے سنوارا اور طبلہ پر یوگی راج پانڈے نیز دوست محمد خان کے ہونہار صاحبزادے ڈاکٹر شکیب محمد خان نے سنگت کی ہے۔

''غزل کا سفر دکن سے دلی'' میں ولؔی اورنگ آبادی، شاہ سراجؔ اورنگ آبادی، میر تقی میرؔ، مرزا غالبؔ، صفیؔ اورنگ آبادی، جگر مرادآبادی، مخدومؔ محی الدین، فیض احمد فیضؔ، بشر نوازؔ اور قمرؔ اقبال کی غزلیں شامل ہیں۔

ولؔی اورنگ آبادی کی غزل ؎

جسے عشق کا تیر کاری لگے
اسے زندگی کیوں نہ بھاری لگے

اس سی۔ڈی میں اول نمبر پر ہے۔ راگ مالکوس اور تال چاچر ہے جو دیپ چندی کا دوسرا رخ ہے۔ اس میں دوست محمد خان نے رشبھ کا سُر لگایا ہے۔

دوسری غزل شاہ سراجؔ اورنگ آبادی کی ہے۔ یہ غزل گائکی کے لیے مشکل ہے کیونکہ اس کی لفظیات کی ادائیگی ایک اچھے پڑھے لکھے اردو داں کے لیے بھی آسان نہیں ہے۔ غزل ہے ؎

خبرِ تحیّرِ عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا جو رہی سو بے خبری رہی

اس غزل کو دوست محمد خان نے نہایت فنکاری کے ساتھ راگ بھیم پلاس میں ترتیب دیا ہے۔ روپک تال کی یہ غزل عرصے تک یاد رکھی جائے گی۔ گائک نے موسیقی کی تمام تر لطافتوں کے ساتھ، غزل کے تمام اشعار کو اپنی آواز کے اتار چڑھاؤ کے ذریعے کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

سہل ممتنع شاعری کے استاد میر تقی میرؔ کی غزل ؎

دل جو تھا اک آبلہ پھوٹا گیا
رات کو سینہ بہت کوٹا گیا

اپنی قدامت کے باوجود ایک سماں باندھنے میں کامیاب ہے۔نہایت دردمندی کے ساتھ راگ درگا میں روپک تال سے سجی سنوری اس غزل میں ایک ایک شعر کو منظر میں تراش کر سامعین کی روحانی فرحت کا سامان کیا گیا ہے۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئینگے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

جی ہاں ! مرزا غالبؔ کی مشہور غزلوں میں سے ایک غزل ہے۔مشکل غزل ہے لیکن تال دادرہ اور راگ جن سموہینی میں دوست محمد خان نے بہت آسانی سے اسے ترتیب دیا ہے جو ان کی استادی پر دال ہے۔

استاذ الشعرا صفیؔ اورنگ آبادی کی غزل۔

قصدِ وفا ہے اور ناتاب جفا مجھے
اچھی ملی ہے اپنے کیے کی سزا مجھے

کو دوست محمد خان نے راگ ابولی سے سجایا ہے۔اس کی تال دادرہ ہے۔

ایک چنچل غزل مخدوم محی الدین کی ہے۔

آپ کی یاد آتی رہی رات بھر
چشم نم مسکراتی رہی رات بھر

راگ کھماج میں گائی ہے۔یہ خوبصورت غزل دادرہ کی تال میں ہے۔طبلہ بھی خوب بجا اور موسیقی لاجواب ہے۔

کب یاد میں تیرا ساتھ نہیں کب ہاتھ میں تیرا ہاتھ نہیں
صد شکر کہ اپنی راتوں میں اب ہجر کی کوئی رات نہیں

فیض احمد فیض کی اس غزل کی ابتدا ایک مدھر دھن سے شروع ہوتی ہے۔مطلع سے مقطع تک راگ درباری کا جادو اور تال کیروا کی شان وشوکت نے اس غزل کو خوبصورت پیرایہ عطا کیا ہے۔

جگر مرادآبادی کی غزل۔

رند جو مجھ کو سمجھتے ہیں انھیں ہوش نہیں
میکدہ ساز ہوں میں میکدہ بردوش نہیں

دوست محمد خان نے نہایت والہانہ انداز میں گائی ہے۔ یہ راگ بھیروی میں ہے اور تال دادرہ ہے۔ جس قدر غزل اچھی ہے اسی سطح پر آواز نے اپنا سحر برقرار رکھا ہے۔

بشرؔ نواز کی غزل۔

وہ رُت بیتی بات گئی
خوشیوں کی بارات گئی

راگ جوگ اور کیروا کی الٹی تال میں دوست محمد خان نے اس غزل میں کسی شے کے کھو جانے کے احساس کو اجاگر کیا ہے۔انھوں نے ایک ایک شعر کے معنی اور ان کی روح کو اس راگ کے سہارے بہترین ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔ یہ بہت مخصوص راگ ہے اور اس غزل کی گائکی کے لیے موزوں بھی ہے۔

بانٹ لیں ، دکھ درد ایسا کون ہے
غیر ہے وہ بھی تو اپنا کون ہے

ہائی ٹون پر شروع کی ہے۔قمرؔ اقبال کی اس غزل میں جو Pathos، دردمندی اور حزن وملال در آیا ہے اس کے لیے راگ میاں کی توڈی اور روپک تال کا مناسب انتخاب کیا گیا ہے۔ یہ غزل دوست محمد خان نے اپنی دل کی گہرائیوں سے پیش کی ہے۔ یہ غزل سامع کو دیر تک اپنی گرفت میں رکھتی ہے۔

علمِ موسیقی سے اپنی کم علمی کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ دوست محمد خان کا یہ کیسٹ ''غزل کا سفر دکن سے دلّی'' غزل گائکی میں ایک گراں قدر اضافہ ہے اور غزل گائکی کا فن جسے روبہ زوال سمجھا جا رہا ہے اس کے احیاء کی سمت ایک مثبت قدم ہے۔

دوست محمد خان نے بتایا کہ انھوں نے یہ سی۔ڈی پروفیشنل مقاصد کے تحت تیار نہیں کی بلکہ اردو ادب کے طلباء اور اساتذہ کو غزل کے عہد بہ عہد ارتقاء کے منظر اور پس منظر سے کما حقہ واقف کرانے کی ایک ادنیٰ کوشش ہے۔

ڈاکٹر دوست محمد خان صرف ایک غزل گائک ہی نہیں بلکہ ماہر تعلیم کی حیثیت سے بھی شہرت رکھتے ہیں۔ مراٹھواڑا کالج آف ایجوکیشن اورنگ آباد میں آپ ایک طویل عرصے تک پروفیسر اور بعد ازاں پرنسپل کی گراں قدر خدمات انجام دے چکے ہیں۔ وہ ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر مراٹھواڑا یونیورسٹی کی فیکلٹی آف ایجوکیشن کے ڈین بھی رہے ہیں۔ پی ایچ ڈی ایجوکیشن کے گائیڈ ہیں اور اب تک تقریباً سترہ طلباء نے ان کی رہنمائی اور نگرانی میں شعبۂ تعلیم میں پی ایچ۔ڈی کی اسناد حاصل کی ہیں۔ حکومت ہند کی وزارت فروغ وسائل انسانی دہلی نے انھیں ''ایجوکیشن ایکسلنٹ'' کے قابل قدر ایوارڈ سے نوازا ہے، اسی طرح ''بیسٹ پرنسپل'' کے ایوارڈ سے بھی ان کی عزت افزائی کی گئی ہے۔آپ ناگپور، امراوتی، اندور، ناندیڑ کی یونیورسٹیوں کے ساتھ ساتھ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد اور مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی کے پی ایچ۔ ڈی ریفری اور ریسورس پرسن ہیں۔آپ NAAC، دہلی اور NCT بھوپال کے مستقل رکن بھی ہیں ع

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ

☆☆☆

عکسِ ادب
خصوصی گوشے کے لئے رابطہ قائم کیجئے۔
9326772575

آوازِ دوست۔ڈاکٹر دوست محمد خان کا قلمی خاکہ

خاکہ نگار: محمد محمود صدیقی
سنیئر پروفیسر
مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی،
حیدرآباد

میں غزل کہوں ، میں غزل پڑھوں
میرے فن کو حسن خیال دے

سبحان اللہ، واہ کیا کہنے ہیں جناب بشیر بدر۔

ہاں یاد آیا یہ کلام تو معروف شاعر پدم شری بشیر بدر کا ہے۔لیکن جس آواز کے ساتھ یہ غزل میرے اور بیشمار شائقین کے ذہنوں میں گونج رہی ہے، یہ آواز؟

جی یہ آوازِ دوست ہے آوازِ دوست!

آوازِ دوست سے یہاں مراد ہے ۔پروفیسر ڈاکٹر دوست محمد خان (بی ایس سی ، ایم اے اُردو، ایم اے میوزک ، ایم ایڈ، پی ایچ ڈی۔نفسیات) سابق پرنسپل ،مراٹھواڑہ کالج آف ایجوکیشن، اورنگ آباد کی آواز!

اچھا، آخر کیا خاص بات ہے اُن کی غزل سرائی میں؟

انتخاب کلام دل پذیر، منفرد دُھن، آواز کا جادو، روایتی موسیقی کا انضمام یا پھر پرکشش Body language

جی ۔ان سب کے ساتھ ساتھ ایک اور بات۔ ایک بڑی اور منفرد خوبی ، معنویت اور گہرائی و گیرائی کے فہم کے ساتھ بالکل درست مخارج اور صحت تلفظ کے ساتھ ایسی ادائیگی کہ پیش کردہ کلام، پیغام محبت بن جائے۔

''کوئی پیغام محبت لب اِعجاز تو دے
موت کی آنکھ بھی کھل جائے گی کوئی آواز تو دے''

جی ہاں یہ لب اعجاز کا نتیجہ ہے کہ آوازِ دوست پچھلی تقریباً 6,7 دہائیوں سے اپنے چاہنے والوں کے دلوں پر راج کر رہی ہے۔شائد اس فن کار کی یہ دعا رہی ہے کہ

''مرا غم ہی ہے مری ملکیت
مجھے دے تو رنج و ملال دے''

غزل سرائی میں ، حصول مہارت کے لیے

ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف میوزک وشارد کیا بلکہ موسیقی میں پوسٹ گریجویشن تک تعلیم حاصل کی اور آج بھی وہ باقاعدہ اور منظّم انداز میں مشق و ریاض کرتے ہیں۔یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اُنھوں نے ایم اے میوزک، اپنی ملازمت سے سبکدوشی کے بعد تقریباً 65 سال کی عمر میں کیا۔کسی فن کے لیے اپنے آپ کو وقف کردینے کی اس سے بہتر کیا مثال ہوسکتی ہے؟ سخت کوشی اور جدوجہد استادِ محترم ڈاکٹر دوست محمد خان کی نمایاں خصوصیت ہے اور یہ چیز شائد اُنھیں ورثے میں ملی ہے اُن کے دادا، خان بہادر، لفٹنٹ میاں دین خان، آنریری مجسٹریٹ چھاؤنی اورنگ آباد اور والد فیض محمد خان، جو نظام کالج حیدرآباد کے نمایاں طلبہ میں شامل رہے اور جنھوں نے بحیثیت انسپکٹر آف پولیس اپنی خدمات انجام دیں وہ کلاسیکی موسیقی اور فلم ایکٹنگ میں غیر معمولی دلچسپی رکھتے تھے اس کے علاوہ ڈاکٹر دوست محمد خان کے نانا جناب عبدالرحمٰن صدیقی والوج کے بڑے زمینداروں میں شامل تھے اِن سب بزرگوں نے اپنے متعلقہ شعبہ ہائے حیات میں اپنی محنت ،لگن اور نظم وضبط کے بل بوتے پر اپنی ایک شناخت بنائی تھی۔

ڈاکٹر دوست محمد خان نے اپنے بچپن میں انتہائی نامساعد حالات کا سامنا کرتے ہوئے اپنے تعلیمی سلسلے کو جاری رکھا۔ اُردو میڈیم کے سرکاری پرائمری اسکول سے لے کر مڈل اسکول اور ہائی اسکول تک وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پیدل سفر کرتے رہے اور اُن کا یہ پیدل سفر اُس وقت بھی جاری رہا جب اُنھوں نے گورنمنٹ کالج آف آرٹس اینڈ سائنس سے PUC کیا۔البتہ PPC کے لیے جب وہ چھاؤنی سے مولانا آزاد کالج روضہ باغ جاتے تو کم ازکم آدھے سفر کے لیے سٹی بس سروس سے استفادہ کرتے۔ اُنھیں بچپن سے ہاکی کھیلنے کا بہت شوق تھا اور چھاؤنی کے سازگار ماحول میں اُنھیں اپنے اس ذوق کی تسکین کا بھرپور موقعہ ملا، ملند کالج سے بی ایس سی (کیمسٹری) کرنے کے بعد وہ چاہتے تھے کہ ایم ایس سی کیمسٹری میں مراٹھواڑہ، یونیورسٹی میں داخلہ لیں ،لیکن بی ایس سی میں تھرڈ ڈیویژن ہونے کی وجہ سے وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ مولانا آزاد ہائی اسکول میں تقریباً ایک سال تدریسی فرائض انجام دیئے اور اُس کے بعد 71-1970 میں مراٹھواڑہ کالج آف ایجوکیشن کی پہلی بیچ میں بی ایڈ میں داخلہ حاصل کیا۔اور یہیں سے اُن کے کریئر میں ایک زبردست مثبت تبدیلی آئی۔

اُنھوں نے بی ایڈ امتحان میں کالج بھر میں فرسٹ اور یونیورسٹی کی سطح پر تھرڈ پوزیشن حاصل کر کے ثابت کردیا کہ اُن کا اصل میدان ''ایجوکیشن'' ہے۔بس، پھر کیا تھا 72-1971 میں گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن سے ایم ایڈ میں یونیورسٹی میں ٹاپ کیا۔ہولی کراس انگلش، ہائی اسکول میں تقریباً دو سال تدریس کی۔اور ایسی شناخت بنائی کہ 1972 میں اُن کا تقرر مراٹھواڑہ کالج آف ایجوکیشن میں ہوگیا اور یوں وہ اُستاد الاساتذہ بن گئے۔لیکن اُنھوں نے اپنے اندر موجود ایک ہونہار طالب علم کو کبھی مرنے نہیں دیا۔ ملازمت کے ساتھ

اپنے تعلیمی سفر کو جاری رکھتے ہوئے گورنمنٹ کالج آف آرٹس اینڈ سائنس سے ایم اے نفسیات میں یونیورسٹی کی سطح پر تھرڈ پوزیشن حاصل کی اور پھر اسی مضمون میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور گویا تعلیمی نفسیات کو اپنا اختصاص (specialization) بنالیا۔ وہ اس درمیان اپنے فن کو مکمل یکسوئی کے ساتھ پروان چڑھاتے رہے۔

آکاشوانی اورنگ آباد کے Approved ghazal singer بنے اور اب تک آپ کی تین سی ڈیز لانچ ہوچکی ہیں۔

نمبر:۱ ''یاد تیری رات گئے آئی''

نمبر۲: ''غزل کا سفر دکن سے دلی'' اور

نمبر۳: ''غزل کی واپسی دلی سے دکن''

اسی کے ساتھ'' غزل گائیکی''، کے نام سے اُردو اور ''غزل گائن'' کے نام سے ہندی میں آپ کی کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ ریاستِ مہاراشٹر کے بیشتر چھوٹے بڑے شہروں کے علاوہ ملک کے مختلف گوشوں میں آپ کے پروگرام منعقد ہوتے رہتے ہیں، لدھیانہ، چندی گڑھ، پھگواڑہ، میرٹھ، بھوپال، اندور، حیدرآباد، گلبرگہ، بھلائی، کشتواڑ (کشمیر) جمو، آنند (گجرات) ،غرض غزل کے چاہنے والوں کا شائد ہی کوئی ایسا شہر رہ گیا ہو جہاں کے لوگ ڈاکٹر دوست محمد خان سے محظوظ نہ ہوئے ہوں۔

اُن کی غزل سرائی کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ وہ اس فن کے ماہرین اور اساتذہ سے بھرپور استفادہ تو ضرور کرتے ہیں لیکن اپنی ایک الگ راہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں کسی شاعر کے کلام کا انتخاب کرکے ایک نئی دُھن بنانے کی دُھن اُن پر سوار رہتی ہے۔

''میری صبح تیرے سلام سے
مری شام ہے تیرے نام سے''

ٹھیک ہے، ڈاکٹر دوست محمد خان نے غزل سرائی میں اپنا لوہا منوایا۔ اپنی ایک شناخت بنائی۔ لیکن اُنھوں نے ''میدان تعلیم'' میں کیا کیا؟ فن تدریس اور تعلیمی انتظامیہ میں اُن کا رول کیسا رہا؟

جنون کی حد تک، غزل سرائی کو اپنانے کے باوجود ڈاکٹر دوست محمد خان نے تعلیمی میدان کے ساتھ کبھی ناانصافی نہیں کی یہ بات تو سبھی جانتے ہیں کہ بحیثیت پرنسپل، مراٹھواڑہ کالج آف ایجوکیشن، اُنھوں نے اپنے دور میں کالج کو نئی بلندیوں تک لے جانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اُنہی کے دور میں کالج کو NAAC کی جانب سے +A گریڈ حاصل ہوا۔ پرنسپل ڈاکٹر دوست محمد خان کی قائدانہ صلاحیت، منظم منصوبہ بندی اور بھرپور Dedication کو Recognize کرتے ہوئے انھیں بیسٹ پرنسپل ایوارڈ سے نوازا گیا، وہ یونیورسٹی میں ڈین فیکلٹی آف ایجوکیشن کے عہدے پر فائز رہے۔ 20 اسکالرس نے ان کی نگرانی میں اپنی تحقیق مکمل کرکے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اُنھیں اُن کی تعلیمی و سماجی خدمات کے اعتراف میں کئی ایک اعزازات حاصل ہوئے، لیکن اِن سب سے بڑھ کر ہیں وہ محبتیں، چاہتیں اور عزت واحترام، جو انہیں اپنے طلبہ وطالبات کی جانب سے حاصل ہوئے ہیں۔

اُن کے ساتھ مراٹھواڑہ کالج آف ایجوکیشن اور گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن میں اُس زمانے میں فن تدریس کے ماہرین کی ایک کہکشاں آباد تھی اور ہر اُستاد اپنے مضمون اور شعبۂ اختصاص میں ایک مثالی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے باوجود ڈاکٹر دوست محمد خان اپنی ایک الگ پہچان بنانے میں کامیاب رہے۔

''میرے سامنے جو پہاڑ تھے وہ تو سر جھکا کے چلے گئے''

کیونکہ :

''جسے چاہے تو یہ عروج دے جسے چاہے تو یہ زوال دے''

ڈاکٹر دوست محمد خان نے دیگر مضامین کے علاوہ بی ایڈ کے طلبہ کو بطور خاص تعلیمی نفسیات، اور تدریس ریاضی اور ایم ایڈ کے طلبہ کو Research Methodology جیسے مضامین بطور خاص پڑھائے اور اس طرح پڑھائے کہ گویا اُن کا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔

نفسِ مضمون پر عبور، عام فہم اور دلچسپ انداز بیان، اُردو اور انگریزی زبانوں پر ملکہ اور طلبہ کی نفسیات اور اُن کی دلچسپی کا خیال رکھتے ہوئے برملا اور برمحل اشعار، اقوال، لطائف اور واقعات کا استعمال، اِن سب کے ساتھ چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ اور اپنے طلبہ کو اچھا اُستاد بنانے کا جذبہ۔ یہ چند ایسی خوبیاں ہیں جو ہمیشہ بی ایڈ اور ایم ایڈ کے طلبہ اور پی ایچ ڈی کے اسکالرس کو اُن کا گرویدہ بناتی رہی ہیں۔

شاگردوں، ساتھیوں اور تعلیمی حلقوں میں اُن کی غیر معمولی مقبولیت، کبھی اُن کے لیے سخت آزمائش کا سبب بھی بنی۔

اُس صبر آزما دور کا سب سے کربناک پہلو یہ تھا کہ انھیں اپنی مادرِ علمی اور کرم بھومی یعنی مراٹھواڑہ کالج آف ایجوکیشن اورنگ آباد سے دور رہنا پڑا، وہ اُن کا سب سے زیادہ Challenging دور تھا۔

لیکن اُنھوں نے اُس دور کے مسائل کو بھی ایک موقعہ اور Opportunity کے طور پر استعمال کیا اور جلگاؤں کے اقرأ کالج آف ایجوکیشن کی زلفیں سنواریں اور اُسے اس مقام پر لا کھڑا کیا کہ علاقہ خاندیش اور مہاراشٹرا میں خاص طور پر Nongrant colleges میں اُسے ایک خاص مقام حاصل ہوگیا۔

''بڑا لطف ہے انہیں پتھروں کو شکم سے باندھ کے سو رہوں
مجھے مال مفت حرام ہے مجھے دے تو رزق حلال دے''

بالآخر وہی آزمائشی اور صبر آزما دور اور اُس دور میں بالخصوص شاگردوں کی جانب سے بحیثیت اُستاد ان کی ستائش، تعریف وتوصیف اور مبنی برحق گواہی نے انھیں ہر دلعزیز اُستاد کی حیثیت سے ایک منفرد شناخت عطا کی جس نے چند ہی سالوں بعد اُنھیں پرنسپل، مراٹھواڑہ کالج آف ایجوکیشن کے باوقار عہدے پر فائز کردیا۔

مولانا آزاد ایجوکیشن سوسائٹی کے صدر، ماہر تعلیم اور اسلامی اسکالر ڈاکٹر رفیق زکریا سابق وزیر حکومت مہاراشٹر اور سابق رکن راجیہ سبھا، اور میڈم فاطمہ زکریا کی حرکیاتی قیادت اور انتظامیہ کی جانب سے غیر معمولی سہولتوں کی فراہمی، ساتھی اساتذہ کا پرخلوص تعاون اور ڈاکٹر دوست محمد خان کی انتھک کوششوں نے مراٹھواڑہ کالج آف ایجوکیشن کو اپنے بام عروج پہ پہنچا دیا اُن کے پرنسپل شپ کے دور میں کالج میں انگلش میڈیم سے 100 نشستوں پر مبنی B.Ed پروگرام کا آغاز ہوا اور انگریزی میڈیم سے بی ایڈ کرنے کے خواشمند طلبہ کی ایک دیرینہ ضرورت کی تکمیل ہوئی۔ اسی طرح NCTE کی جانب سے انسپکشن اور اس کی مثبت رپورٹ اور سفارش کی بدولت 25,25 طلبہ پر مشتمل ایم ایڈ کے تین سیکشن کا آغاز ہوا، اور کالج کو پہلے سے حاصل کردہ Research Centre، تحقیق وتصنیف کا ایک بہترین مرکز بن کر اُبھرا۔

آج صورتحال یہ ہے کہ مراٹھواڑہ، ودربھ، مغربی مہاراشٹر اور ریاست کے کسی بھی حصے میں ڈاکٹر دوست محمد خان اور مراٹھواڑہ کالج آف ایجوکیشن سے فارغ طلبہ وطالبات بحیثیت اُستاد، صدر، مدرس، اور Teacher educators اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں بعض لوگوں نے MPSC کے ذریعہ کامیابی حاصل کرتے ہوئے ڈپٹی ایجوکیشن آفیسر، ایجوکیشن آفیسر اور دیگر اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوکر اپنی کامیابیوں کے روشن نقوش ثبت کئے۔

ڈاکٹر دوست محمد خان کی شخصیت پر اپنے نام کا اتنا واضح اثر ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ بھی دوستانہ تعلق بنانے اور اُسے نبھانے کے لیے ہمیشہ متحرک رہتے ہیں۔ اپنے افراد خاندان کے ساتھ حُسن سلوک روا رکھتے ہیں۔

ترقی کی معراج کو چھو لینے کے باوجود وہ انتہائی ملنسار، مہمان نواز اور حوصلہ افزائی کا جذبہ رکھنے والے اُستاد اور ایک اچھے اور سچے انسان ثابت ہوئے ہیں۔

''سبھی چار دن کی ہے چاندنی یہ ریاستیں یہ وزارتیں
مجھے اُس فقیر کی شان دے کہ زمانہ جس کی مثال دے''

ڈاکٹر دوست محمد خان کی یہ دعا شائد دربار خداوندی میں قبول ہوگئی اور ہم اپنی جاگتی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ اُن کے بے شمار شاگرد، اُستاد بن کر اپنے اپنے طلبہ کے مستقبل کو بہتر رُخ دینے میں مشغول ہیں وہ اپنے اُستاد ڈاکٹر دوست محمد خان کو اپنے طلبہ کے سامنے بطور ایک مثال اور Role Model پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔

ڈاکٹر دوست محمد خان کی خدمات کا فیض آج بھی جاری ہے۔ وہ اس وقت بھی فن تدریس اور غزل سرائی میں اپنی خدمات اس جوش وخروش سے پیش کرتے ہیں کہ نوجوان اساتذہ اور فن کار شرما جائے۔

ان کی اس کیفیت کے پیچھے وہ Passion اور جذبہ ہے جو اُنھیں ہردم سرگرم عمل رکھتا ہے۔ ڈاکٹر دوست محمد خان کی عرفیت اقبال میاں ہے۔

اور دعا ہے کہ اقبال میاں کا اقبال ہمیشہ بلند رہے اور وہ اسی طرح اپنی خدمات انجام دیتے رہیں۔

''خدا تیرے جنوں کا سلسلہ دراز کرا!''

☆☆☆

غزل

ڈاکٹر منیب حنفی (پربھنی)
موبائل : 9850007446

جب حسیں لب سلگتے بہت ہیں
من میں ارماں مچلتے بہت ہیں
خوبصورت جو ہوتے ہیں چہرے
گفتگو سے چمکتے بہت ہیں
پاس بیٹھیں تو روٹھیں وہ ہم سے
دور ہوں تو چہکتے بہت ہیں
گفتگو کا سلیقہ نہیں ہے
لب جو کھولیں الجھتے بہت ہیں
کارنامے جو حنفی کے ہیں وہ
سن کے دشمن دہلتے بہت ہیں

غزل

اظہر نیر (دربھنگہ)
9939749459

میں نے سمجھا تھا جن احباب کو اپنا اکثر
کہتے پھرتے ہیں وہی مجھ کو پرایا اکثر
رہگزر وہ جو دکھائی تھی ہمیں رہبر نے
کارواں اپنا اُسی راہ میں بھٹکا اکثر
صرف ساحل نہیں موجیں بھی رہیں اپنی
پھر بھی آنکھوں میں رہا خیمۂ صحرا اکثر
صاف گوئی کے سبب یا کسی سازش کے تحت
ہم تو ہوتے رہے احباب میں رسوا اکثر
فائدہ کیا ہے جو افسوس کیا جائے اب
کاٹتا ہوں وہی نیّر کہ جو بویا اکثر

ڈاکٹر دوست محمد خان کے ساتھ نہ بھولنے والے لمحات

عبدالکریم سالار
صدر اقرا ایجوکیشن سوسائٹی
جلگاؤں
موبائل : 9112030014

کبھی کبھی قدرت کے کام کچھ ایسے ہوتے ہیں جو موجودہ حال ہے ماضی ہونے کے بعد ایسا لگتا ہے کہ یہ کوئی منظّم منصوبے کے تحت قدرت کا کمال ہے۔

جلگاؤں کی اقرا ایجوکیشن سوسائٹی ایک اقلیتی ادارہ ہے جسے حکومت نے خصوصی طور سے اقلیتی طلبہ کے لیے بی ایڈ کالج کی اجازت دی۔ پوری یونیورسٹی میں سب سے چھوٹا ادارہ اور مدمقابل میں بڑے بڑے ادارے اوران کی بھرمار، ہم کیسے اس میدان میں ایک معیاری اور کوالیٹی والا کالج بنائیں۔ یہ بہت بڑا سوال ہمارے سامنے تھا۔ ایک ایسا ادارہ جہاں مستقبل کے قابل اور ہونہار معمار قوم تیار ہوسکے۔ یوں تو الحمدللہ اقرا سوسائٹی کا مونوگرام ہی ہمارے مشن اور وژن کی نمائندگی کرتا ہے کہ ؎

یہ مدرسہ ہے تیرا میکدہ نہیں ساقی
یہاں کی خاک سے انساں بنائے جاتے ہیں

اورنگ آباد کے صف اول کے بی ایڈ کالج کے پرنسپل اور ڈائریکٹر پروفیسر ڈاکٹر ڈی ایم خان صاحب کا انتظامیہ کے ساتھ کچھ تنازع ہوا جو اقرا بی ایڈ کالج کی زندگی میں فال نیک ثابت ہوا۔ اقرا بی ایڈ کالج کا نیا نیا سیٹ اپ، نیا اسٹاف، کوئی تجربہ کار افراد نہیں۔ ایسے میں معلوم ہوا کہ ڈاکٹر ڈی ایم خان صاحب ان دنوں خالی ہیں۔ ہم نے فوراً ان سے رابطہ قائم کیا اور خان صاحب ہمارے کالج کے سرپرست اور کیئر ٹیکر بن گئے۔ مسلسل پانچ سال آپ نے اس ادارے کو بلندی کے آسمانوں تک پہنچا دیا۔ اپنے ساتھی اساتذہ کو وہ سب ہنر سکھا دیے جو کسی بہترین ادارے کے لیے بے حد ضروری ہوتے ہیں۔

خان صاحب صرف قابل استاد اور اچھے ناظم ہی نہیں بلکہ میوسیقی اور غزل سنگر بھی ہیں۔ ان کے پانچ سالہ کالج کی باگ ڈور سنبھالتے ہوئے ادارے کا پورا ماحول بدل گیا۔ جہاں کالج نے یونیورسٹی میں کئی گول میڈل حاصل کیے وہیں کالج کے اساتذہ کیا اور اسٹاف کیا اور ممبران کیا سبھی اچھے سُروں میں غزل گانے لگے۔ شب غزل کی محفلیں سجنے لگیں اور ادارہ اپنی الگ پہچان بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ دیگر ادارے والے حیرت سے پریشان تھے کہ ایک چھوٹا سا ادارہ چند سالوں میں گیارہ گولڈ میڈل حاصل کیسے کر چکا ہے۔ ان تمام کامیابیوں کا راز تھا، ڈاکٹر دوست محمد خان۔

مرحوم ڈاکٹر رفیق ذکریا صاحب کی طرف سے اشارہ ملا کے آپ خان سر آپ کے کالج میں ہیں ایسا ایک لیٹر دے دو۔ ہم جانتے تھے کہ اس عمل سے خان سر کو قانونی دشواریاں پیش آسکتی تھیں۔ ہم نے اپنے بزرگ کی نافرمانی کی اور اس کوہ نور ہیرے کو اپنے کالج کے تاج سے جدا نہیں کیا۔ بعد میں حالات نے کروٹ لی اور خان سر دوبارہ اپنے کالج بحیثیت پرنسپل اورنگ آباد لوٹ گئے۔ لیکن بے پناہ یادیں اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔ لیکن اس کے بعد بھی سر کا آنا جانا جاری ہے۔ ہر انسان کی زندگی میں نشیب و فراز آتے ہیں، لیکن ان کا مقابلہ وہی کر پاتا ہے جس میں خود اعتمادی اور پختہ یقین ہو۔ سر نے ہر مصیبت سے راحت نکالی، ہر مشکل کو آسانی میں تبدیل کیا اور آج وہ اس مقام پر موجود ہیں، جہاں انہیں پرسکون زندگی میسر ہے۔ مشکل سے

مشکل مرحلے سے گزرتے ہوئے، درس و تدریس میں ایک بہترین استاد، فن غزل گوئی میں اور میوسیقی میں ایک اعلیٰ مقام اور ایک مشفق والد، مخلص دوست اور بے شمار شاگردوں کی فوج کے سپہ سالار کی حیثیت سے آج بہت اطمینان سے اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔

میں اپنی اور ادارے کی جانب سے ان کے روشن مستقبل کی دعا کرتا ہوں اور چند اشعار میں بقول کسی شاعر کے ان کی زندگی کے حالات پر بطورِ تاثرات پیش کرتا ہوں کہ ؎

کبھی اس مکان سے گزر گیا کبھی اس مکاں سے گزر گیا
غم عشق تیرا ہے شکریہ میں کہاں کہاں سے گزر گیا
کبھی عرش پر، کبھی فرش پر، کبھی در بہ در تھا، کبھی دربدر
جو تیرے خیال میں چل پڑا، وہ کہاں کہاں سے گزر گیا
یہ میرا کمال گناہ سہی، مگر اس کو دیکھ اے میرے خدا،
تو نے روکا مجھ کو جہاں جہاں میں وہاں وہاں سے گزر گیا
جسے لوگ کہتے ہیں زندگی وہ تو حادثوں کا ایک ہجوم ہے
وہ تو کہیے یہ میرا ہی کام تھا کہ میں درمیان سے گزر گیا

☆☆☆

روشن دماغ و علم ادب کا چراغ : ڈاکٹر دوست محمد

از : ڈاکٹر مسرت فردوس
ریٹائرڈ پروفیسر شعبۂ اردو
ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر مرہٹواڑہ یونیورسٹی اورنگ آباد (مہاراشٹر)
موبائل : 9860903034

ڈاکٹر دوست محمد علم دوست ہیں۔ انھیں مختلف علوم میں دستگاہ حاصل ہے۔ دورانِ انٹرویو انھوں نے کہا تھا کہ ''علم کا حصول میری زندگی کا مقصد تھا'' اور انھوں نے مقصد میں کامیابی حاصل کی۔ علم نفسیات کے وہ ماہر ہیں۔ تعلیم کے میدان میں پرچم لہرائے ہیں۔ گیت ہو یا غزل ان کی آواز کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ اُن کی انگلیاں طبلہ اور ہارمونیم پر تھرکتی اور کھیلتی ہیں۔ اردو زبان وادب کے پرستار اور اعلیٰ ذوق کے مالک ہیں۔ وہ فنکار اور جانکار تو ہیں ہی ان سب سے بڑھ کر وہ ایک اچھے استاد ہیں۔ وہ استادوں کے استاد ہیں۔ اپنے طلبہ کو اچھا ٹیچر بنانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں اور اُن کی خوب تربیت کرتے ہیں۔ اُن کے کالج سے تربیت پانے والے سیکڑوں طلباء سارے مہاراشٹر اور دیگر ریاستوں کی درس گاہوں میں بحیثیت استاد نئی نسل کا مستقبل سنوار رہے ہیں۔

استاد کا پیشہ بڑا ہی مقدس ہوتا ہے۔ استاد کی دی ہوئی علم کی دولت، اُس کے شاگردوں کے دل میں ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ اُن کی تربیت نسلوں تک چراغ بن کر جلتی ہے۔ علم بانٹنے والے ہاتھ کبھی خالی نہیں ہوتے۔ وہ شاگردوں میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

ڈاکٹر دوست محمد سے میرے مراسم کئی برسوں سے ہیں۔ میرے پھوپا عبدالغفور فاروقی مراٹھواڑہ کالج آف ایجوکیشن میں پروفیسر تھے۔ دوست محمد ان کے شاگرد تھے۔ ڈاکٹر دوست محمد کا گورنمنٹ کالج کے میوزک ڈپارٹمنٹ میں آنا جانا لگا رہتا تھا۔ میوزک ڈپارٹمنٹ کی لیکچرار کرونا دیش پانڈے کے ساتھ انھوں نے ڈوئٹ پیش کئے ہیں۔ ڈاکٹر دوست محمد خان مراٹھواڑہ کالج آف ایجوکیشن میں پروفیسر اور پرنسپل کے عہدے پر فائز رہے۔ بلند قد و قامت کی وجہ سے اُن کی شخصیت متاثر کن رہی ہے۔ موصوف متعلقہ موضوع پر تیاری کر کے ہی کلاس روم میں داخل ہوتے تھے۔ پورے اعتماد کے ساتھ پڑھاتے۔ انھیں انگریزی زبان پر عبور حاصل تھا۔ اُس دور میں (۸۱۔۱۹۸۰ء میں میں جب وہاں کی طالبہ تھی) مراٹھواڑہ کالج آف ایجوکیشن کا معیارِ تعلیم پورے مہاراشٹر میں اپنی شناخت رکھتا تھا۔ اُس کالج نے ایسے اساتذہ تیار کئے جن کی علمی و تعلیمی کاوشیں اپنے اپنے اداروں میں بڑی سودمند ثابت ہوئیں۔ یہ بہترین معیار اور عمدہ کارکردگی تمام اساتذہ کی محنت اور سعی کا ثمرہ تھی۔

ڈاکٹر دوست محمد کی ہشت پہلو شخصیت کا اہم زاویہ اُن کی غزل و گیت گائیکی ہے۔ اِس میدان میں انھوں نے بڑی کامیابی اور شہرت حاصل کی۔ شہر اورنگ آباد کے علاوہ مراٹھواڑہ کے تمام اضلاع و کئی شہروں میں اُن کے پروگرام نہایت پُر وقار اور تزک و احتشام کے ساتھ انجام پائے۔ اُن کا نام کئی سالوں سے اخبارات کی سرخیوں میں نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر دوست محمد خان اخبار کے تراشوں سے تیار کردہ البم اُن کی پوری زندگی کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

اردو زبان سے وابستگی اور دلچسپی اُن کے اردو زبان میں لکھے گئے مضامین سے معلوم ہوتی ہے۔ اُن کی علمیت اور قابلیت کا اندازہ اُن کے تحریر کردہ مضامین سے ہوتا ہے۔ وہ موسیقی اور علم نفسیات میں مہارت رکھتے ہیں اس لئے انھوں نے ان ہی موضوعات سے متعلق مضامین لکھے ہیں۔ عام طور پر موسیقی و موسیقار پر اردو میں مضامین بہت کم ملتے ہیں۔ ڈاکٹر دوست محمد کے مضامین اردو والوں کے لئے معلومات فراہم کرنے والے ہیں۔ ''طبلہ نواز استاد ذاکر حسین قریشی'' کے بارے میں انھوں نے دلچسپ معلومات آسان زبان میں تحریر کی ہے۔ ''مہدی حسن سروں کے حاکم اور غزل'' اس مضمون میں مہدی حسن کی صلاحیت، اُن کی لگن، دلچسپی، جوش و جذبہ کو انھوں نے خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ اسی طرح ''ملکہ غزل بیگم اختر'' اس مضمون میں بیگم اختر اور اُن کی گائی ہوئی غزلوں پر انھوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے تاکہ قارئین کو معلوم ہو کہ بیگم اختر ملکہ غزل کیوں کہلائی۔

کسی شخص کی زندگی میں نفسیات کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اُس کی ہر حرکت کے پیچھے اُس کی نفسیات کام کرتی ہے، احساسِ کمتری، احساسِ برتری، خود اعتمادی، کامیابی و ناکامیابی میں نفسیات کا اہم رول ہوتا ہے۔ اندازِ گفتار و رفتار پر بھی نفسیات اثر انداز ہوتی ہے۔ ڈاکٹر دوست محمد کا تحریر کردہ مضمون

''معقول جذبات انگیز طرز عمل کا معالج کے تحت نظام اعتقاد'' منفی سوچ رکھنے والوں کی بہترین رہنمائی کرتا ہے۔ بچے کی تعلیم، تربیت اور پرورش میں والدین اور اساتذہ کا اہم کردار ہوتا ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے لکھا ہے کہ چھ سال کی عمر میں بچے کا نظام اعتقاد پختہ ہوجاتا ہے۔ سرپرست حضرات اس طرح کے مضامین کا مطالعہ کریں اور عمل میں لائیں۔

ڈاکٹر صاحب کا ایک اور اہم مضمون ''احساسِ کمتری و برتری اور اُس کا تدارک'' ہے یہ مضمون انھوں نے ذاتی مشاہدات، تجربات اور روزمرہ کی زندگی کے معاملات سے نکات اخذ کر کے تحریر کیا ہے۔ انھوں نے چالیس سال علم نفسیات پڑھایا ہے، وہ جانتے ہیں کہ یہ موضوع قوموں کی زندگی میں کتنا اہم ہے۔ لکھتے ہیں کہ احساسِ کمتری کوئی دماغی بیماری نہیں ہے بلکہ ایک وہم ہے۔ احساسِ کمتری کیا ہے؟ کن وجوہات کی بناء پر یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اس کو کس طرح پہچانا جائے اور اس کا کیا علاج ہے؟ یہ اہم نکات اس مضمون میں شامل ہیں۔ مضمون میں اُن کا یہ جملہ قابل تحسین ہے :

''ہر وہ ذی شعور ذی فہم شخص اس کام کو بخوبی انجام دے سکتا ہے، اگر اس کے دل میں قوم و ملت سے جذبۂ ہمدردی اور آنے والی نسل کی بقا کی فکر ہو۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے دل میں قوم و ملت کا کتنا درد ہے اور وہ رہنمائی اور خیر خواہی کے خواہش مند ہیں۔ وہ آخر میں قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ کی رہنمائی میں اگر ایک بھی بچہ راہ راست پر آجائے تو آپ کے اعمال نامے میں نیکیاں ہی نیکیاں شمار کی جائیں گی۔

ڈاکٹر دوست محمد خان بحیثیت مضمون نگار :

اُن کا مضمون ''اعلیٰ تعلیم میں فروغ معیار کے لئے تحقیق'' فکر و شعور کی نمائندگی کرتا ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے فروغ میں طلباء، اساتذہ، انتظامیہ کا کیا رول ہوتا ہے؟ مسابقتی ماحول، اجتماعی کارکردگی، منصوبہ بندی اور لائحہ عمل تمام نکات کو انھوں نے عمدگی سے واضح کیا ہے۔ تحقیق کی کیا اہمیت ہے اور کس طرح کی جانی چاہئے، بیرونی ممالک میں کیا روایت ہے۔ اس مضمون سے مصنف کی گہری سوچ و فکر، مشاہدہ، تجربہ صاف جھلکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کئی سالوں تک NAAC کمیٹی سے وابستہ رہے۔ ''کیا اردو ذریعہ تعلیم عصری تقاضوں کو پورا کرتا ہے'' یہ مقالہ انھوں نے کرناٹک اردو اکیڈمی کے تحت گلبرگہ کے سمینار میں پیش کیا تھا۔ آزادی اور تقسیم ہند کے بعد اردو کے ساتھ حکومت کا کیا رویہ رہا۔ اردو کے تعلق سے منفی سوچ کیوں پیدا ہوئی؟

مادری زبان کی کیا اہمیت ہے؟ آج اردو اسکولوں کی کیا صورتحال ہے۔ ان نکات پر بحث کے بعد، عصری تعلیمی تقاضے کیا ہیں اور کیا اردو ان تقاضوں کو پورا کرسکتی ہے۔ اس نکتہ پر بات کی گئی ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ''اردو ذریعہ تعلیم عصری تقاضوں کو پورا کرنے میں بہت حد تک کامیاب ہے اور اس کے امکانات روشن ہیں'' انھوں نے سرپرستوں کو اردو سے تعلیم حاصل کروانے کی ترغیب دی ہے۔

ڈاکٹر دوست محمد کا ''ہمہ جہتی معیارِ تعلیم کا انصرام'' اس کتاب پر تبصرہ بھی شائع ہوا ہے۔ کتاب کے مصنف ڈاکٹر بدرالاسلام سر کے شاگرد اور بی ایڈ کالج کے اسسٹنٹ پروفیسر اور قوم کے تئیں دردمند دل رکھنے والے معلم ہیں۔ مسابقتی دور میں تعلیمی اداروں کے معیار کے لئے کون سے اقدامات کی ضرورت ہے، اپنے آپ خود محاسبہ کرنا اور معیار بڑھانا ہے۔ کتاب کا موضوع وقت کے تقاضے کے عین مطابق ہے۔ سر نے اپنے شاگرد کی حوصلہ افزائی کی ہے اور تعلیمی اداروں کے منتظمین اور صدر مدرسین سے گذارش کی ہے کہ ایک دوسرے کا ساتھ دیں۔ ڈاکٹر دوست محمد کا مضمون ''جناب بشرؔ نواز کی غزلیں نغمگی، پروازِ تخیل اور انوکھے اندازِ فکر کا حسین امتزاج'' ادبی نوعیت کا ہے۔ اِس میں انھوں نے بشر بھائی سے تعلقات کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ بشر بھائی شریف النفس، سادگی پسند، ہمدرد، خوش مزاج، کم گو، بذلہ سنج، حاضر جواب ذہین اور تخلیقی ذہن کے مالک تھے۔ اُن کی غزلوں میں آمد ہے، غزل کے الفاظ، شعروں کی بندش، روانی، لفظوں کی ترتیب، معنی آفرینی، یہ سب مل کر نغمگی کو جنم دیتے ہیں۔ غزل کے عام موضوع کو بشرؔ نواز نے اپنی غزلوں میں بالکل انوکھے انداز سے پیش کیا ہے۔

غرض اس مضمون میں انھوں نے آسان لفظوں میں عمدہ نکات پیش کئے ہیں۔ اپنے علاقہ کے فنکار کی قدر و منزلت کرنا قابل تقلید عمل ہے۔ ان مضامین کے آئینے میں ڈاکٹر دوست محمد خان کا عکس بحیثیت مصنف صاف نظر آتا ہے۔

وہی بات دہرائی جاسکتی ہے ڈاکٹر دوست محمد ہشت پہلو شخصیت کے مالک ہیں۔ وہ قابل استاد، عمدہ گائیک، ماہر تعلیم، بہترین قلم کار اور سب کے اچھے دوست ہیں۔

☆☆☆

ڈاکٹر دوست محمد خان
ہمہ جہت فنکار

پروفیسر رفیع الدین ناصر
(قومی اعزاز یافتہ معلم)
اورنگ آباد
موبائل :942221134

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کی تخلیق کی تو اُس میں ہمہ اقسام کی خصوصیات شامل کیں۔ ارتقائی منازل کے ساتھ ساتھ ان خصوصیات میں تبدیلیاں آتی گئیں۔ اُس میں اضافہ ہوتا گیا جو خصوصیات فائدہ مند ہیں فطرتاً انسان اُس کو اپناتا جاتا ہے اور یہی خصوصیات انسان کی ترقی کا باعث بنتی ہیں۔ اس ترقی یافتہ سماج میں آج ایسے افراد موجود ہیں جو علم کی دولت سے مالا مال ہوکر بام عروج پر پہنچ گئے ہیں۔ اسی طرح کی ایک عظیم شخصیت کا نام دوست محمد خان ہے جنھوں نے مختلف علوم پر دسترس حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ موسیقی اور ادب میں بھی ید طولیٰ حاصل کیا۔

ڈاکٹر دوست محمد خان کی شخصیت مختلف خصوصیات کی حامل ہیں۔ بنیادی طور پر وہ ایک کامیاب، پسندیدہ و پاپولر ٹیچر ہیں تو دوسری جانب غزل گائیکی میں انھوں نے اپنا لوہا منوایا اور تیسری جانب ادبی مضامین لکھ کر اور ادبی تقاریب میں شرکت کر کے انھوں نے اپنی انفرادی شناخت بنائی۔ کسی ایک شخصیت میں اتنی خصوصیات کی موجودگی کی نظیر نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیمی حلقے، ادبی حلقے اور موسیقی کے دلدادہ لوگ چاہے وہ شہر اورنگ آباد کے ہوں یا ملک کے کسی گوشے میں ہوں وہ ڈاکٹر دوست محمد خان کو نہ صرف جانتے ہیں بلکہ اُن کو بہت قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ شاید یہی وہ خصوصیات رہی ہوں گی جنھوں نے سہ ماہی ''عکس ادب'' کے ایڈیٹر ڈاکٹر یوسف صابر نے ''عکس ادب'' کے پچاسویں شمارے کا گوشہ ڈاکٹر دوست محمد خان سے منسوب کرنے کا طئے کیا۔ ڈاکٹر یوسف صابر ''عکس ادب'' کے توسط سے علاقے کے قلمکاروں کی ہمیشہ پذیرائی کرتے رہتے ہیں اور اُن پر گوشے شائع کرتے رہتے ہیں چاہے یہ قلمکار سائنس کے میدان سے تعلق رکھیں یا کسی اور شعبہ سے۔ اس کی وجہ سے ''عکس ادب'' دنیا میں جہاں کہیں بھی پڑھا جاتا ہے وہاں کے لوگ ہمارے علاقے کے قلمکاروں کی خدمات سے واقف ہوتے ہیں۔ موجودہ شمارہ انھوں نے ڈاکٹر دوست محمد خان کے نام منسوب کر کے گویا دوست محمد خان کی طویل خدمات کا اعتراف کیا۔ ہم جیسے قلمکاروں کا ڈاکٹر دوست محمد خان کے تعلق سے خامہ فرسائی کرنا گویا سورج کے سامنے چراغ جلانا ہے۔ ڈاکٹر دوست محمد خان کی شخصیت میں کچھ ایسی خصوصیات موجود ہیں جس سے نئی نسل کا واقف ہونا ضروری ہے تاکہ وہ بھی کامیابی کی بلندی تک پہنچ سکے۔

بنیادی طور سے ڈاکٹر دوست محمد خان ایک انتہائی کامیاب استاد ہیں۔ دنیا بھر میں اُن کے ہزاروں شاگرد پھیلے ہوئے ہیں اور ہر کوئی آج بھی بڑے فخر سے کہتا ہے کہ وہ ڈاکٹر دوست محمد خان کا بی ایڈ میں شاگرد رہ چکا ہے۔ اس میں سے ایک راقم الحروف بھی ہے۔ ڈاکٹر دوست محمد خان میں عملی طور پر تدریس کی وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک مثالی معلم میں ہونا چاہئے۔ ٹھیک وقت پر کلاس کے دروازے پر موجود رہنا اور ٹھیک وقت پر کلاس چھوڑ دینا۔ *Time management* پر اُن کا کمال بتلاتا ہے کلاس میں

موجود مستقبل کے اساتذہ اس کو اپنائیں۔ پوری تیاری اور اعتماد کے ساتھ کلاس میں آنا اور انتہائی پُر اثر انداز میں لیکچر دینا، یہ اُن کا ذاتی وصف ہے۔ ڈاکٹر دوست محمد خان کے لیکچر میں ۴۵ منٹ کس طرح سے گذرتے طلباء کو پتہ ہی نہیں چلتا۔ دوران تدریس مختلف لطیفوں سے کلاس کو ہنسائے رکھنا اور وقت پڑنے پر سخت الفاظ میں تنبیہ کرنا، اُن کا اپنا انداز ہے۔ وہ اپنے طلباء کے ساتھ ایک بہترین دوست، بہترین استاد، بہترین رہنما، بہترین فنکار کی طرح پیش آتے اور اگر طلباء غلطی کر رہے ہوں تو فوری درست کرواتے۔ اسی وجہ سے طلباء بھی سوچ سمجھ کر ہر قدم بڑھاتے۔ سائنس اور ریاضی کے تدریسی گر سیکھ کر جب اساتذہ اس کا استعمال کرتے ہیں تو اُس وقت اپنے استاد کے بتائے ہوئے طریقے بہت کام آتے ہیں۔ ڈاکٹر دوست محمد خان *Statistics* کو اتنی آسانی سے سمجھاتے کہ وہ طلباء جو آرٹس فیکلٹی سے آتے انھیں بھی بہت آسانی سے *Statistics* سمجھ میں آجاتا۔ ہمارے کئی آرٹس کے ساتھی اس بات کے گواہ ہیں۔ ڈاکٹر دوست محمد خان کی یہ خواہش ہمیشہ رہی کہ اُن کے طلباء اعلیٰ کامیابی حاصل کریں۔ یونیورسٹی کی میرٹ لسٹ میں آئیں کیونکہ ڈاکٹر دوست محمد خان نے خود یونیورسٹی ٹاپر کی پوزیشن میں کامیابی حاصل کی، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی پوری سروس میں اعلیٰ معیار کا مواد اپنے طلباء کو فراہم کیا۔ انھوں نے تدریسی کوالٹی میں معیار سے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا اور آج بھی وہ کسی بھی محاذ پر معیار سے سمجھوتا نہیں کرتے۔

جب ڈاکٹر رفیق ذکریا نے انھیں مراٹھواڑہ کالج آف ایجوکیشن اورنگ آباد کے پرنسپل کی حیثیت سے منتخب کیا تو اُن کی صلاحیتیں اور بھی نکھر آئیں اور کالج کے معیار کو انھوں نے مزید بلندیوں پر پہنچایا۔ بی ایڈ کے مزید ڈیویژن قائم کئے۔ خاص طور پر بی ایڈ انگلش میڈیم کے ڈیوژن میں اضافہ کیا۔ اس دوران کالج میں انھوں نے اپنی رہنمائی میں NAAC کا معائنہ کرایا اور کالج کو +A گریڈ دلایا جو اُس وقت کی سب سے بڑی کامیابی تھی کیونکہ ریاست مہاراشٹر میں صرف پانچ کالجوں کو +A گریڈ ملا تھا اور ملک بھر سے منجملہ گیارہ کالجوں کو +A گریڈ حاصل ہوا تھا۔ اس لحاظ سے مراٹھواڑہ کالج آف ایجوکیشن اورنگ آباد اپنے اعلیٰ معیار کے اعتبار سے ایک انفرادی کالج بن گیا۔ اس اعلیٰ کامیابی کی بنیاد پر UGC نے انھیں NAAC ٹیم کا ممبر منتخب کیا اور ساتھ میں NCTE کا بھی ممبر منتخب کیا۔ دونوں بھی انتخاب قومی سطح کے اور اعلیٰ ہوتے ہیں جس کو ملک بھر میں بہت احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس ذمہ داری کے تحت ڈاکٹر دوست محمد خان نے پچاس کالجوں کا معائنہ کیا اور حکومت کو رپورٹ سونپی۔

دوست محمد خان کا *contribution* صرف یہاں تک ہی محدود نہیں، انھوں نے چونکہ ایم اے نفسیات میں میرٹ میں کامیابی حاصل کی تھی اس لئے آپ نے بی ایڈ، ایم ایڈ کے ساتھ ساتھ ایم اے نفسیات کی کلاسیس بھی لیں۔ اس لئے یونیورسٹی نے انھیں نفسیات، ریسرچ میتھاڈولوجی، اسٹیٹسٹیک جیسے مضامین میں گائیڈشپ عطا کی اور انھیں *Education-Inter disiplinary* پی ایچ ڈی گائیڈ کی حیثیت سے منتخب کیا جو اپنے آپ میں بہت بڑا اعزاز ہے۔ چنانچہ اب تک اُن کی زیرنگرانی ایجوکیشن میں ۱۶/اور فزیکل ایجوکیشن میں چار طلباء و طالبات نے پی ایچ ڈی حاصل کی۔

انھوں نے تحقیقی معیار کو بلند کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے باضابطہ وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوشی کے بعد بھی مینجمنٹ نے انھیں ایک عرصہ تک اپنی خدمات پیش کرنے کا موقع فراہم کیا اور یہاں سے علیحدگی کے بعد پھر ان کی خدمات مراٹھواڑہ کے باہر کے کئی اداروں نے حاصل کر کے اپنے معیار کو بلند کیا۔

بہ حیثیت ڈین ڈاکٹر دوست محمد خان کی خدمات کا اعتراف ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر مراٹھواڑہ یونیورسٹی اورنگ آباد کے ارباب مجاز آج بھی کرتے ہیں۔ ایجوکیشن کا میدان ایک عرصہ تک ریسرچ سے عاری تھا۔ ڈاکٹر دوست محمد خان کی کاوشوں سے جب تجربہ کار اساتذہ کرام کو گائیڈشپ ملی۔ تب یہ میدان وسیع تر ہوتا گیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آج اس شعبہ میں کئی پی ایچ ڈی ہولڈرس موجود ہیں جس کا سہرا دوست محمد خان کے سر جاتا ہے۔

تدریس کے میدان میں آج بھی ڈاکٹر دوست محمد خان کی خدمات جاری ہیں۔ اُن کے قدرداں ملک کے گوشہ گوشہ سے انھیں مختلف امتحانات کے لئے کانفرنس میں لیکچر دینے، سمینار میں شرکت کرنے کے لئے بڑے اہتمام سے بلاتے رہتے ہیں اور حسب سہولت یہ شرکت کرتے رہتے ہیں، اس کی وجہ سے ہمارے علاقہ کا نام بہت روشن ہوا۔

صرف تدریس کے شعبہ میں ہی ڈاکٹر دوست محمد خان نے اورنگ آباد کا نام پورے ملک میں روشن نہیں کیا بلکہ غزل گائیکی کے توسط سے بھی شہر کا نام دور دور تک پہنچایا۔ انھوں نے ۱۹۸۲ء میں میوزک وشارد کی ڈگری حاصل کی جو بی اے کے مماثل ہوتا ہے اور اس کے ٹھیک بتیس سال بعد یعنی ۲۰۱۴ء میں ایم اے میوزک میں داخلہ لے کر باضابطہ ریگولر طلباء کے ساتھ کلاسیس اٹینڈ کر کے ایم اے میوزک کی ڈگری حاصل کی۔ غزل گائیکی پر مکمل دسترس حاصل کرنے کے لئے اس دوران انھوں نے ایم اے اردو بھی مکمل کیا۔ واضح ہو کہ یہ تمام ڈگریاں انھوں نے میرٹ میں کامیاب کیں۔ اس کی وجہ سے انھوں نے ملک بھر کے کئی کالجوں اور یونیورسٹیوں میں غزل اور غزل گائن کے پروگرام کئے جس سے ہمارے علاقہ کا نام بہت روشن ہوا اور اسے انفرادی شناخت عطا ہوئی۔ غزل گائیکی، ڈاکٹر دوست محمد خان کا ذاتی شوق ہے اور اس کی انھوں نے باضابطہ تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد اس پر مشق کر کے دسترس حاصل کی۔ اُن کا یہ وصف ہے کہ وہ کسی کی نقل نہیں کرتے بلکہ منتخب کلام کو اپنے انداز میں کچھ اس طرح سے گاتے ہیں کہ سننے والا دم بخود رہ جاتا ہے۔ آل انڈیا ریڈیو اورنگ آباد سے ہر منگل کو دوپہر میں ایک بج کر پانچ منٹ سے ایک بجکر ۳۰ منٹ تک ایک موسیقی کا پروگرام نشر ہوتا تھا جس میں علاقے کے فنکار کو اپنا فن پیش کرنے کا موقع دیا جاتا تھا۔ اِس پروگرام میں ڈاکٹر دوست محمد خان نے برسوں تک اپنے فن کا کامیاب مظاہرہ کیا اور بہترین غزلیں آل انڈیا ریڈیو اورنگ آباد سے نشر کیں۔

ڈاکٹر دوست محمد خان نے غزل گانے کے لئے ہمیشہ معیاری کلام کا انتخاب کیا۔ انھوں نے علاقے کے شعرائے کرام کے کلام کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ جس کو دنیا نے بہت احترام سے قبول کیا۔ اس کی وجہ سے ہمارے علاقے کی ادبی معیار کو دنیا نے مان لیا۔ ڈاکٹر دوست محمد خان میں بلند قامت اور اعلیٰ معیار ہونے کے باوجد انکساری بھرپور ہے، اس کا مظاہرہ ہم نے اُس وقت دیکھا جب ۱۹۹۸ء میں شہر میں منعقدہ ورلڈ ٹیچرس کانفرنس میں دنیا بھر کے پروفیسرس آئے تھے

اوراجنٹہ وایلورہ کے تفریح کے دوران میں اُن اساتذہ نے غزل گانے کی فرمائش کی تو ڈاکٹر دوست محمد خان نے بہت سادگی سے کچھ غزلیں دوران سفر سنائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام نامی گرامی پروفیسرس بہت متاثر ہوئے اوراپنے ساتھ غزل گائیکی کی یادوں کو بھی لے کر گئے۔

ایک مرتبہ وجدؔ میموریل ہال میں بھارت پٹرولیم کے ایک منیجر صاحب کے اعزاز میں ایک تقریب کا انعقاد کیا گیا تھا جس میں ستیش ترپاٹھی، ڈاکٹر قاسم امام اور دیگر حضرات موجود تھے۔اس تقریب کی نظامت راقم الحروف کے ذمہ تھی۔ اس موقع پر ڈاکٹر دوست محمد خان نے مہمان کے اعزاز میں بہترین غزلیں پیش کیں جس سے ماحول بہت پُر لطف ہوگیا۔اسی وقت ڈاکٹر قاسم امام نے ایک فی البدیہہ غزل مہمان کے اعزاز میں لکھ کر ستیش ترپاٹھی صاحب کو بتلائی۔انھوں نے غزل پڑھنے کی فرمائش ڈاکٹر دوست محمد خان سے کی۔تھوڑے سے وقفہ کے بعد ڈاکٹر دوست محمد خان نے اُس فی البدیہہ غزل کی دھن بنائی اور اس کو حاضرین کے سامنے بہترین موسیقی کے ساتھ پیش کیا جس کو حاضران محفل نے بہت سراہا۔ اس سے خوش ہوکر صاحب اعزاز مہمان نے ایک خطیر رقم وجدؔ میموریل ٹرسٹ کوعطا کی۔اس واقعہ سے ڈاکٹر دوست محمد خان کی قابلیت اورحاضر دماغی کا پتہ چلتا ہے۔

ڈاکٹر دوست محمد خان ریاضی جیسے مضمون سے شغف کے ساتھ ساتھ اردو ادب سے بھی اتنی ہی انسیت رکھتے ہیں۔ادب کی محفلوں میں ان کی شرکت منتظمین کے لئے باعث افتخار سمجھی جاتی ہے۔وارثان حرف وقلم ،مجلس عہد ساز ،عکس ادب اور دیگر انجمنوں کی جانب سے منعقدہ تقاریب میں وہ نہ صرف شرکت کرتے ہیں بلکہ اظہار خیال بھی فرماتے ہیں۔ان کے خیالات کے اظہار کو بہت احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔وہ عملی میدان میں بے لوث خدمت کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ چنانچہ جب راقم الحروف کی ایما پر مہاراشٹر میں اردو زبان میں میڈیکل داخلہ امتحان کی تحریک شروع ہوئی تو اُس موقع پر ڈاکٹر دوست محمد خان کی رہنمائی اور تعاون شامل رہا جس کی وجہ سے یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔

ڈاکٹر دوست محمد خان کی شخصیت میں کئی پہلو موجود ہیں جو وقت ضرورت اپنی مہارت سے دنیا کو فائدہ پہنچاتے رہتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ وقتاً فوقتاً جب اُن کی تحریریں اخبار کی زینت بنتی ہیں تو قارئین بہت ذوق وشوق سے نہ صرف پڑھتے ہیں بلکہ اپنی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں ۔ اُس کی بہت اہم مثال اس مضمون کی ہے جو انھوں نے بشرؔ نواز کے انتقال کے بعد تحریر کیا تھا۔جس میں موسیقی کی بہت ساری باتوں کو اجاگر کیا،جس سے اردو قاری ناواقف تھے۔امید کہ وہ موسیقی کے فن کی معلومات کو مزید اردو قارئین تک پہنچانے کی کوشش کریں گے۔عوام کے بے حد اسرار پر انھوں نے اپنی غزلوں کو ریکارڈ کروا کر ایک کتاب کے ساتھ شائع کیا تو عوام نے اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ہم نے خود دہلی اور اُس کے اطراف کے باذوق افراد کو یہ سی ڈی اور کتاب پہنچائی۔

ڈاکٹر دوست محمد خان مراٹھواڑہ کی سرزمین کا وہ فنکار ہے جس کی قدر دنیا بھر میں کی گئی۔انھیں سرآنکھوں پر بٹھایا گیا اور بارہا ان کے پروگرام منعقد کئے گئے۔ یہ سلسلہ ابھی بھی جاری ہے۔ جس کی ایک عمدہ مثال J.J.T. یونیورسٹی راجستھان میں ان کی غزل گائیکی کا پروگرام ہے۔ ہمارے علاقے کے اخبارات نے اُن پر مخصوص گوشے حسب استطاعت شائع کئے لیکن ڈاکٹر یوسف صابرؔ نے ''عکس ادب'' کے پچاسویں شمارے کا یہ مخصوص گوشہ ان کے نام مختص کر کے نہ صرف اُن کی خدمات کو خراج تحسین پیش کی بلکہ علاقہ کے عظیم فنکار کو دنیا کے سامنے متعارف کردیا۔کیونکہ بقول شادؔ عظیم آبادی ۔

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں ، ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

☆☆☆

غزل

صابرؔ جوہری بھدروی
(بھڑودھی۔یوپی)
موبائل :8543085485

صاحب دل ، صاحب کردار ہونا چاہئے
غم نصیبوں کا ہمیں غمخوار ہونا چاہئے
عظمت خاک گلستاں کی حفاظت کے لئے
جان دینے کے لئے تیار ہونا چاہئے
اپنے دشمن کو لگاتا ہوں گلے یہ سوچ کر
دشمنی کا بھی ذرا معیار ہونا چاہئے
جو اصولوں کی حفاظت جان دے کر بھی کرے
اس قبیلے کا اسے سردار ہونا چاہئے
کب تلک آخر رہے گی نیند کی آغوش میں
قوم کو اب دوستو بیدار ہونا چاہئے
بر سر نیزہ بھی کرنے کے لئے اعلان حق
اہل ایماں کو سدا تیار ہونا چاہئے
جس کا دامن ہے ہمارے خون کے چھینٹوں سے لال
اس کی عظمت سے ہمیں انکار ہونا چاہئے
دہر سے مٹ جائے بالکل یہ اندھیروں کا نظام
تیرگی کی شاہ رگ پر وار ہونا چاہئے
کر رہا ہے جو صف مومن میں پیدا انتشار
اس منافق سے ہمیں ہشیار ہونا چاہئے
کر سکے جو آج کے صابرؔ مسیحا کا علاج
شہر میں ایسا بھی اک بیمار ہونا چاہئے
آپ صابرؔ جوہری مت لیجئے عجلت سے کام
ایک ہی ہو شعر پر دمدار ہونا چاہئے

استادالاساتذہ
ڈاکٹر دوست محمد خان

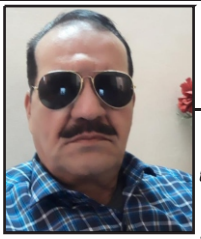

محمد اختر خان (اورنگ آباد)
موبائل : 9822059723

اگر ہم صرف مہاراشٹر کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ اچھے اساتذہ بہت کم ہیں۔ اچھے اساتذہ سے مراد وہ جو اپنا کام پوری ایمانداری سے کرتے ہوں۔ اپنی کمائی کو حلال کرنا بہت کم لوگ سمجھ پاتے ہیں۔ چھٹیاں لینا، دیر سے آنا، کم پڑھانا، کلاس میں ٹائم پاس کرنا عام بات ہوگئی ہے اور یہ سب ایک اچھا استاد نہیں کرتا۔ مراٹھواڑہ میں جس اچھے استاد کا نام لیا جاتا ہے، اور ہر شاگرد جس کی تعریف کرتا ہے وہ ہے مرہٹواڑہ کالج آف ایجوکیشن اورنگ آباد کے ریٹائرڈ پرنسپل ڈاکٹر دوست محمد خان ۔

استاد کے ہاتھوں میں ہے اطفال کی تقدیر
ہر طِفل ہے ملّت کے مقدر کا ستارہ

دوست محمد خان نے بی ایس سی پاس کرنے کے بعد ایک سال مولانا آزاد ہائی اسکول میں ریاضی کے ٹیچر کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیں۔ اُس کے بعد انھوں نے بی ایڈ اور ایم ایڈ کیا اور وہ مرہٹواڑہ کالج آف ایجوکیشن میں لیکچرار ہوگئے۔ اُن کے پڑھانے کا انداز ایسا تھا کہ طلباء اُن سے بہت خوش ہوتے تھے اور کالج کا رزلٹ ہمیشہ صد فیصد رہتا تھا۔ بی ایڈ کے تمام مضامین پر انھیں دسترس حاصل ہے۔ وہ پڑھانے کے لئے کلاس میں کبھی دیر سے نہیں جاتے تھے اور نہ ہی اسٹوڈنٹ کو دیر سے آنے کی اجازت دیتے۔ انھوں نے کبھی چھٹی نہیں لی، اُن کا گھر کالج کے قریب ہونے کے باوجود وہ دوپہر کا ٹفن ساتھ لاتے تھے۔ پڑھانے کی لگن ایسی کہ شاید ہی کسی میں ہو۔ اپنا کام پوری ایمانداری سے کرنا ڈاکٹر دوست محمد خان اپنا فرض سمجھتے تھے ۔

نونہالوں کو وہ قندیلِ حرم دیتا ہے
دستِ نازک کو وہ لوح وقلم دیتا ہے

اچھے انسان کی زندگی میں کچھ ناگزیر حالات بھی آتے ہیں اور اُن کے ساتھ بھی وہی ہوا۔ اِس لئے انھیں جلگاؤں جانا پڑا۔ جہاں وہ ایک بی ایڈ کالج کے نگراں ہوگئے۔ اُس کالج میں گذشتہ سال کا رزلٹ صرف ۱۳؍فیصد رہا تھا۔ انھوں نے وہاں بہت محنت کی، بچوں کو تو پڑھاتے تھے ساتھ ہی اساتذہ کی بھی رہنمائی کی۔ اُن کی محنت رنگ لائی اور اُس سال کا نتیجہ ساٹھ فیصد آیا اور اِس طرح اگلے سال ۸۰؍فیصد اور پھر صد فیصد رزلٹ ہوگیا ۔

روشنی بانٹتا پھرتا ہے وہ سورج کی طرح
ڈوبتا ہے تو ستاروں کو جنم دیتا ہے

اُس کے بعد وہ مرہٹواڑہ کالج آف ایجوکیشن میں پرنسپل کی پوسٹ پر واپس آگئے۔ اُن کے دور میں کسی پروفیسر کو دیر سے آنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس لئے کچھ اساتذہ اُن سے ناراض بھی رہا کرتے تھے لیکن موصوف نے اپنی کوششیں جاری رکھیں جس کے نتیجہ میں کالج کا رزلٹ صد فیصد رہتا تھا۔ اُن کے کام کو دیکھ کر یو جی سی نے انھیں NAAC کمیٹی اور NCTE کا ممبر بنا دیا۔ ان کے دور میں کالج کو A+ گریڈ ملا تھا۔ اُس وقت ہندوستان میں یہ گریڈ صرف گیارہ کالجوں کے نصیب میں آیا تھا۔ انھیں NAAC کمیٹی کے ساتھ دوسری ریاستوں میں بھی جانا پڑا۔ جہاں وہ کالج کا ہر طرح سے جائزہ لینے کے بعد ہی ریمارکس لکھتے تھے۔ وہ ہمیشہ صحیح کام کو ہی ترجیح دیتے

تھے۔ ڈاکٹر دوست محمد خان ایجوکیشن اور فزیکل ایجوکیشن کے گائیڈ رہے ہیں۔ اِن کی سرپرستی میں ایجوکیشن میں ۱۶؍طلباء نے پی ایچ ڈی مکمل کی اور چار طلباء نے فزیکل ایجوکیشن میں پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔

اِس کے علاوہ انھیں غزل گائیکی کا بھی شوق ہے۔ انھوں نے کلاسیکل موسیقی کے نامور استاد ناتھ راؤ نزلکر سے کلاسیکل سنگیت سیکھا اور سنگیت میں بی اے وشارد اور ایم اے میوزک کی ڈگریاں حاصل کیں۔ مہاراشٹر کے علاوہ دوسری ریاستوں میں بھی ان کے بہت سارے پروگرام ہوئے۔ اُن کی غزل گائیکی کے تین سی ڈی اور ایک کتاب بھی شائع ہوچکی ہے۔ پہلی سی ڈی ''یاد تیری رات گئے آئی'' دوسری ''غزل کا سفر دکن سے دلّی'' اور تیسری سی ڈی ''غزل کی واپسی دلّی سے دکن'' ہے۔ انھوں نے اپنی سی ڈی میں ولؔی و سراجؔ، میرؔ و غالبؔ سے لے کر جگر مرادآبادی تک کی غزلیں گائی ہیں۔ انھیں ریٹائر ہوئے ۱۶؍سال ہوچکے ہیں۔ آج بھی اُن کی شناخت ایک اچھے استاد اور ماہر غزل سنگر کی ہے ۔

جہاں میں چھوڑ چلو کچھ تو یادگارِ حیات
وہ آدمی نہیں جس آدمی سے کچھ نہ ہوا

☆☆☆

ڈاکٹر دوست محمد خان
ایک مثالی شخصیت

● ڈاکٹر خان شہناز بانو
(اسوسیٹ پروفیسر و پرنسپل
مانوسی ٹی ای، چھترپتی سنبھاجی نگر،
(اورنگ آباد)

فنون لطیفہ بھارت کی شان ہے۔ مغلوں نے اسے سرپرستی و بالادستی دی۔ مغلیہ حکومت نے اپنے دور میں مختلف علوم وفنون کو اس کے اعلیٰ مقام پر جگہ دلوائی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مغلیہ ریاستوں کی زمین بھی فنون کی زرخیزی سے مالامال ہوگئی۔ اورنگ آباد (دکن) کی فضاؤں کو بھی ان فنکاروں نے اپنی خوشبو سے معطر کیا۔ اس زمین پر کئی مایہ ناز سپوت پیدا ہوئے اور ان میں سے چند آج بھی موجود ہیں۔ آج اس زمین کی ایک عظیم ہستی سے روبرو کروانے کی جرأت کررہی ہوں۔ یہ وہ عبقری ہستی ہے جو بیک وقت مقرر، مدبر، منتظم، ماہر تعلیم، ماہر نفسیات اور مغنّی (غزل سرا) ہیں۔ دوست محمد خان جو کہ ڈی ایم کے سر کے نام سے جانے جاتے ہیں، ان کے افکار و خیالات، فلسفہ حیات، تعلیم کی جانب ان کی تڑپ اور اساتذہ کی تعلیم و تربیت کے نظام پر ان کی اثر آفرینی کو قلمبند کرنے کی ایک ادنیٰ سی کوشش کی جارہی ہے۔

ڈاکٹر دوست محمد خان کا تعلیم کی جانب رجحان بچپن سے تھا اور اگر کبھی وہ غافل ہوتے تو گھر میں ہی کورٹ مارشل ہوجاتا۔ دوران تدریس اکثر وہ ہمیں اپنے بچپن کے دریچوں میں لے جاتے، ان کے پیدل سفر کو بتلاتے۔ اسکول کے زمانے میں وہ اپنے دوستوں کے ساتھ پیدل ہی چیلی پورہ ہائی اسکول جاتے تھے۔ ان کے بچپن کے ساتھیوں میں رشید ماموں، الیاس قریشی صاحب، سلیم صاحب (جو ریاضی کے معلم تھے) شامل ہیں۔ انھوں نے ۱۹۶۲ء میں دسویں کی تعلیم مکمل کی۔ ان کی تعلیم و تربیت میں ان کی والدہ اختر النساء بیگم کا رول بہت اہم رہا۔

ڈاکٹر صاحب ۱۹۶۹ء میں مولانا آزاد ہائی اسکول میں بطورِ معلم رجوع ہوئے لیکن وہاں پہنچ کر علم کی طلب اور بڑھ گئی۔ اس طرح جب ۱۹۷۰ء میں مراٹھواڑہ کالج آف ٹیچر ایجوکیشن کا قیام عمل میں آیا تو آپ اس کے فاؤنڈر اسٹوڈنٹ بنے۔ کالج میں اوّل مقام اور یونیورسٹی میں میرٹ کی تیسری پوزیشن حاصل کی۔ ۱۹۷۳ء میں ایم ایڈ کیا اور اوّل میرٹ پر اپنا سکہ جمایا۔ ایم اے اردو میں بطور خارجی امیدوار کے داخلہ ۹۲-۱۹۹۱ء میں لیا۔ یہاں بھی اپنی ذہانت کا لوہا منوایا اور ٹاپ پوزیشن حاصل کی۔ موسیقی کے شوق نے انھیں چین سے رہنے نہ دیا اور اپنی قابلیت کو بی اے میوزک ویشارد کی ڈگری کے ذریعے تسلیم کروایا۔ ۲۰۱۴ء میں اس ناچیز نے انھیں ایم اے میوزک کرتے دیکھا ہے۔ بڑی سنجیدگی کے ساتھ آپ گورنمنٹ کالج جاتے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ ریاض کرتے۔ ان کی یہی کاوشیں انھیں ایک منفرد شخصیت کے طور پر پیش کرتی ہیں۔

وقت کی پابندی کا آپ اپنا معیار رکھتے ہیں۔ چاہے وہ آپ کے اسکول کا زمانہ رہا ہو یا ملازمت کا دور۔ مراٹھواڑہ میں پرنسپل شپ یا کسی غزل سرائی کی شام کا معاملہ۔ آپ ہمیشہ قبل از وقت موجود ہوتے۔ ان کی پابندی کی انتہاء اس حد تک تھی کہ اپنے لیکچر سے دس منٹ قبل ہی کالج کے کوریڈور میں آجاتے اور اگر دوسرے پروفیسر صاحب وقت گزرتے باہر نہ آتے تو کلاس کے دروازے پر آکر کہتے: ''جناب! میری کلاس ہے۔ آپ نے میرے دو منٹ پہلے ہی لے لیے، برائے مہربانی مجھے کلاس لینے دیں۔'' آفس میں ہر کام میں ایک منظّم دورانیہ تھا جو آپ کی شخصیت کا حصہ ہے۔ آپ علم قدیم کے دلدادہ ہیں اور اسے اپنی وراثت کا انمول حصہ مانتے ہیں۔ ساتھ ہی علم جدید کو مشعل راہ مانتے ہیں۔ علامہ اقبالؔ کے یہ اشعار ان کی شخصیت کی مکمل وضاحت کرتے ہیں۔

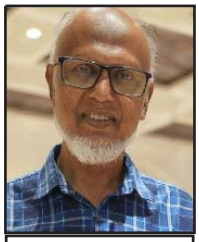

● ڈاکٹر بدرالاسلام
(اسسٹنٹ پروفیسر سی ٹی
ای اورنگ آباد)

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصۂ جدید و قدیم
وہ علم اپنے بتوں کا ہے آپ ابراہیم
کیا ہے جس کو خدا نے دل و نظر کا ندیم

موسیقی سے لگاؤ :

آپ آکاشوانی اورنگ آباد کے ایک مستقل فنکار رہے۔ آپ کی غزلوں کے سی ڈیز ریلیز ہوئے اور لوگوں نے انھیں کافی پسند بھی کیا۔ ان کے نام ہیں ''یاد تیری رات گئے آئی''، ''غزل کا سفر دکن سے دلّی'' اور ''غزل کی واپسی دلّی س دکن'' بھوپال میں جب میں مقیم تھی تو وہاں کا اعلیٰ ذوق والا طبقہ آپ کو بہت یاد کرتا اور بہت ستائش بھی کرتا۔ انھیں جب میں نے آپ کی غزلوں کی سی ڈیز دی تو انھوں نے اس کی کئی کاپی کروا کے اہل ذوق میں تقسیم کی۔

تعلیمی افکار :

ڈاکٹر صاحب ایک مؤثر نظام تعلیم کے قائل ہیں۔ آپ کے مطابق ہر فرد انفرادی تفاوت رکھتا ہے۔ ان کی صلاحیتوں کی بناء پر طلبہ کو تعلیم و تربیت دینی چاہئے اور انھیں ان کی قابلیت اور دلچسپی کی بناء پر مختلف مقام پر

فائز کیا جانا چاہئے۔ دراصل یہ قدرت کا قانون بھی ہے کہ ہر تخلیق کو اس کی فطرت کی بناء پر بانٹا گیا ہے اور ان سے وہی کام لیا جاتا ہے جس کے لئے اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ آپ کا ذوق وشوق، معیار اور قرینہ وسلیقہ آپ کو دوسروں سے مختلف کرتا ہے۔ آپ ہمیشہ تعلیم کو صرف معاش کے ساتھ جوڑنے سے منع کرتے۔ آپ کے مطابق تعلیم فرد کو اس طرح تیار کرے کہ وہ اپنے معاشرے کے لئے باعث بحر فیضان ہو۔ طلباء کو ہمیشہ ایک پیغام دیتے ''کوشش کرنے والوں کی ہار نہیں ہوتی'' وہ کہتے کہ اللہ سبحان تعالیٰ نے ہر فرد کو کچھ نہ کچھ ایسی صفات دی ہیں جو اسے دوسروں سے برتر بناتی ہے۔ انسان ناممکن کو ممکن کرسکتا ہے، بس حوصلہ اور اعتماد ہونا چاہئے ۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

ریاضی کے استاد تھے اس لئے منفی کو مثبت بنانے کے گُر خوب سکھائے۔ آپ کے پاس حریت وذاتی آزادی، احترام خودی اور خودمحرکہ کو خاصی اہمیت حاصل ہے۔ اسی کے ساتھ وہ ایک دائرے میں بھی رہنا پسند کرتے ہیں، جہاں کچھ لوگوں کو ہی آنے کی اجازت ہے۔ سائنسی سوچ کو فروغ دینا وہ خاصا اہم والا مانتے ہیں۔ اس لئے جب بھی نفسیات پڑھاتے تو سائنسی شواہد کو پیش کرتے۔ رفیق زکریا کیمپس کے مایہ ناز مراٹھواڑہ کالج آف ٹیچر ایجوکیشن نے ان کی سربراہی میں اپنے پروں کو خوب پھیلایا۔ ڈاکٹر صاحب نے بی ایڈ اور ایم ایڈ کے سیکشن کی تعداد کو خوب بڑھایا۔ جب میں ان کی سرپرستی میں ایم ایڈ کی انچارج تھی تب ایم ایڈ کے داخلوں کی تعداد ۱۰۵ تھی ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

فن تدریس وانتظامیہ :

اگر بات کریں انداز تدریس کی تو آج بھی آپ کی جماعت نظروں کے سامنے گھوم جاتی ہے۔ قدآور شخصیت، بلند آواز اور سب پر نظر ہمیں کبھی غافل ہونے کا موقع نہ دیتی۔ تصور کی وضاحت اور کھلے تبصرے کلاس کو زندہ جاوید رکھتے۔ آپ چاہے نفسیات پڑھائیں یا ریسرچ میتھڈ، اکتساب تدریس کے شانہ بہ شانہ ہوتا۔ انتظام وانصرام کی اگر بات کریں تو میری نظر میں وہ واحد ہستی ہے جو فرد کی خوبیوں کو پہچان کر اس سے متعلق کام بڑی خوبی سے لے لیتے ہیں اور اگر کچھ کمزوریاں یا خامیاں ہیں تو اس کا تدارک بھی بڑی مصلحت کے ساتھ کرتے ہیں۔ سالانہ پروگرام میں کوئی بھی خامی اس کی تکمیل میں نہیں دکھائی دی۔ آپ ہر چیز وقت پر اور ایک طئے شدہ معیار پر کرنے کے عادی ہیں۔ جس میں وہ کسی طرح کی کوئی گنجائش کو پسند نہیں کرتے۔ اسی قائدانہ صلاحیت اور مؤثر انتظامی مہارت نے انھیں ''بیسٹ پرنسپل'' کے اعزاز سے نوازنے میں مدد کی۔ اپنی قابلیت کی بناء پر ریٹائرمنٹ کے بعد بھی دو سال ایڈمنسٹریٹیو عہدے پر فائز رہے۔ ہم نے ان کی ان خوبیوں کو اس وقت دیکھا ہے جب قابل اور منجھے ہوئے پرنسپلس بھی اپنا آپا کھو دیتے تھے۔ جی ہاں! میں اس کونسلنگ کا ذکر کررہی ہوں جو بی ایڈ کے اوّل ای ٹی کے بعد گورنمنٹ بی ایڈ کالج کے احاطے میں ہوئی۔ رات کے تین بج کر تیس منٹ پر اس ناچیز کو ایڈمیشن دیا گیا تھا اور اس کے بعد بھی ایک طویل قطار موجود تھی۔ اس رات تیز بارش تھی، ساتھ ہی بجلی بھی گل ہوگئی تھی۔ پیٹرومیکس کی روشنی میں اس کونسلنگ کو پایۂ تکمیل کو پہنچانے والے تمام ذمہ داران کو میرا عقیدت سے پُر سلام ہے۔ اسی طرح کی کیفیت کو بہت نزدیک سے ایم ایڈ کونسلنگ میں ہم نے دیکھا اور یہی انداز ہم نے سیکھنے کی کوشش کی۔ ایم ایڈ کی ایک ایک سیٹ مانو ہمارے لئے ایک چوٹی سر کرنے جیسا سرور دیتی۔ اس کامیابی پر سر بہت ستائش بھی کرتے۔ ان ہی کی حوصلہ افزائی نے ۲۰۱۲ء تک ایم ایڈ کی مکمل سیٹ کو بھرنے کا جذبہ ہم ایم ایڈ کے اسٹاف میں زندہ رکھا۔ سر ہمیں اپنی ''آرمی'' کہتے تھے۔ آج جو بھی انصرامی و انتظامی خوبیاں ہم میں ہیں اس کا سہرا سر کو جاتا ہے۔

طلباء سے مسلسل ربط :

سر کی ایک خاص خوبی ان کا اپنے طلباء سے ربط رکھنا ہے۔ اس طرح ہم کبھی بھی سابق طالب علم نہیں ہوئے۔ سر کی شفقت اور رہنمائی ہمیشہ حاصل رہی ہے۔ سر اپنے طلباء کے احوال سے مسلسل باخبر رہتے ہیں۔ میرا مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں انتخاب ہو چکا تھا مگر کچھ وجوہات کی بناء پر وہاں رجوع ہونے میں تاخیر ہورہی تھی۔ سر سے جامع مسجد میں ملاقات ہوئی۔ سر نے کہا: ہجرت میں برکت ہے۔ انھوں نے مجھے سے جلد رجوع ہونے کو کہا۔

طلباء کی حوصلہ افزائی :

سر کا ایک خاص وصف ان کا اپنے طلباء کی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔ اساتذہ کے سامنے لب کشائی ایک آزمائش ہوتی ہے۔ جب بھی سر کے ساتھ کسی پروگرام میں اظہار خیال کیا سر نے سن کر ہمیشہ حوصلہ افزائی کی۔

چھوٹے مگر یاد رہنے والے جملے :

دوران لیکچر سر مختصر اور معنی خیز جملے کہتے تھے جو ہماری زندگی میں بڑی تبدیلی کا سبب بنے ہیں۔ مثلاً جہاں چاہ وہاں راہ۔ لکھنے کو تو بہت ہے لیکن اس دعا کے ساتھ اپنی بات ختم کریں گے کہ اللہ انھیں صحت کاملہ عاجلہ دے۔ ان کی شفقت اور رہنمائی کا سایہ ہم پر رہے۔ ان کی سریلی آواز سے ہم سب محظوظ ہوتے رہیں۔

(آمین) ☆☆☆

ایک شام ڈاکٹر دوست محمد خان کے نام

رپورتاژ : خواجہ کوثر حیات
(اورنگ آباد)
موبائل : 8421934949

غزل اردو شاعری کی مقبول ترین صنف سخن ہے۔اردو ادب میں غزل کی مقبولیت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ غزل ہر دور میں اہل اردو کے جذبات واحساسات کا ساتھ نبھانے میں کامیاب رہی ہے۔غزل پڑھنے میں اچھی لگتی ہے لیکن اسے سننے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ غزل کی نغمگی اس وقت دوبالا ہوجاتی ہے جب غزل ڈاکٹر دوست محمد خان کی آواز سے مزیّن ہوتی ہے۔ ادبی فورم وارثانِ حرف وقلم کے زیراہتمام جاری سلسلۂ جشن نورالحسنین کے تحت بتاریخ ۲؍دسمبر کو ''ایک شام دوست محمد خان کے نام'' محفل غزل، مولانا آزاد ریسرچ سینٹر، مجنوں ہل، اورنگ آباد میں انعقاد پذیر ہوئی۔

شام غزل کا آغاز رات آٹھ بجے جناب اسلم مرزا کی صدارت میں ہوا۔ اس پروگرام میں صاحب جشن نورالحسنین نیز مہمانانِ خصوصی عبدالرشید خان ماموں (سابق میئر) فیاض قریشی (روزنامہ مدیریٹی زن۔ہندی)، الیاس کرمانی (صدر مہاراشٹر مسلم عوامی کمیٹی)، ناصر نہدی (صدر عرب لیگ آف انڈیا)، شیخ محمد ایوب (صدر اردو ایجوکیشن سوسائٹی) مرزا سلیم بیگ (موظف صدر مدرس) معز ہاشمی اور تحسین خان موجود تھے۔

مولانا آزاد ریسرچ سینٹر، دوست محمد خان کے مداحوں سے بھرا ہوا تھا اور اسٹیج پر دوست محمد خان اپنے سازندوں کے ساتھ جلوہ افروز تھے۔محفل غزل میں آپ کا ساتھ جن سازندوں نے دیا، ان میں گجانند ہارمونیم نواز (میوزک کے لیکچرر سرسوتی بھون کالج آف آرٹس اورنگ آباد)، طلبہ نواز دھنجے جلگاؤنکر، دوسرے طبلہ نواز ڈاکٹر شکیب اور بانسری لئے بارہ سال کا ایک نوعمر فنکار شامل تھے۔

محفل غزل کے آغاز میں وارثانِ حرف وقلم کی جانب سے ڈاکٹر دوست محمد خان اور ان کی ٹیم کا پُرجوش استقبال کیا گیا۔ ساتھ ہی مہمانان خصوصی کا بھی استقبال گل پیش کرکے کیا گیا۔ پروگرام کی شروعات دوست محمد خان نے اپنی مترنم آواز کے سحر سے اپنے پسندیدہ شاعر بشیر بدرؔ کی غزل سے کی اور ماحول کو پُرکیف بنادیا۔غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

سر سے پا تک وہ گلابوں کا شجر لگتا ہے
باوضو ہو کے بھی چھوتے ہوئے ڈر لگتا ہے
میں ترے ساتھ ستاروں سے گزر سکتا ہوں
کتنا آسان محبت کا سفر لگتا ہے

آپ نے امیر خسرو کی اس غزل کو بھی گایا جس کے ذریعے صابری برادران کے علاوہ کئی غزل گائیکوں نے محفلوں کی تزئین کی۔ دوست محمد خان کے ترنم و انداز نے اس غزل کو خوب نغمگی دی اور انھیں خوب داد حاصل ہوئی۔

چھاپ تلک سب چھین لی ری موسے نیناں ملائی کے
اپنی ہی کرلی ری موسے نیناں ملائی کے
ہری ہری چوڑیاں گوری گوری بیّاں
بیّاں پکڑ ہرلی ری موسے نیناں ملائی کے
پریم بھٹی کا مدوا پلا کے
متوالی کرلی نی ری موسے نینا ملائی کے

انتخاب غزل کی ایک خوبی یہ رہی کہ دوست محمد خان نے قدیم شعراء اور جدید و نوعمر شعراء کی بہترین غزلوں کو پیشکش کے لئے منتخب کیا ،جس کی وجہ سے محفل میں قدیم و جدید کے رنگ امتزاج اپنی رعنائیاں بکھیرنے لگے۔

غزل کی بات چھڑ جائے اور ابن انشاء کو نہ پڑھا جائے، یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔دوست محمد خان نے ابن انشاء کی رواں اور سلیس غزل سے محفل میں خوب سماں باندھا۔ کچھ اشعار قارئین کے ذوق مطالعہ کے لئے پیش خدمت ہیں۔

انشاء جی اٹھو کوچ کرو اس شہر میں جی کا لگانا کیا
وحشی کو سکوں سے کیا مطلب جوگی کا نگر میں ٹھکانا کیا
اس دل کے دریدہ دامن کو دیکھو تو سہی سوچو تو سہی
جس جھولی میں سو چھید ہوئے اس جھولی کا پھیلانا کیا

دوست محمد خان کہتے ہیں کہ غزل کے بادشاہ جگجیت سنگھ کا کہنا تھا کہ ''راگ رس دھنی' اور 'درگا' یہ دو راگوں میں غزلیں نہیں گائی جاتیں۔'' لیکن انھوں نے ان دو راگوں میں غزلیں گائیں۔ دوست محمد خان نے بھی ان دو راگوں میں مجاہدالقاسمی کی غزل کو پیش کیا۔

تو نے تصویروں سے کمروں کو سجا رکھا ہے
گھر سجا پیار سے تصویروں میں کیا رکھا ہے
اس قدر الجھا ہوا آج کا انسان ہے کہ
خود کو پانے کے لئے خود کو بھلا رکھا ہے

ترقی پسند شاعر ظفر گورکھپوری جن کے شاعرانہ عظمتوں کا آج بھی اعتراف کیا جاتا ہے۔ان کی غزل کو پیش کرکے بھی محفل سے داد حاصل کی۔

اٹھا کر اپنی شمعوں کا اجالا دے دیا میں نے
ہوا برسوں کی بھوکی تھی نوالا دے دیا میں نے
وہ تنہا راستہ تھا جس سے یادیں آتی جاتی تھیں
اب اس کھڑکی کو بھی مکڑی کا جالا دے دیا میں نے
میں بادل تھا مجھے تو دھجیاں ہونا تھا ویسے بھی
زمیں تجھ کو تو سبزے کا دوشالہ دے دیا میں نے
پتہ تو کچھ چلے اس کو خوشی بھی بوجھ لگتی ہے
وہ ذرّہ مانگنے آیا ہمالا دے دیا میں نے

اس کے بعد دوست محمد خان نے بین الاقوامی شہرت یافتہ نقاد، ادیب، ترقی پسند تحریک کے ممتاز شاعر اور فلم ''بازار'' کا گیت ''کروگے یاد تو ہر بات یاد آئے گی'' کے نغمہ نگار، ٹی وی سیریل ''امیر خسرو'' کے اسکرپٹ رائٹر بشر نواز کا خوبصورت کلام مداحوں کے گوش گزار کیا۔

وہ رُت بیتی بات گئی
خوشیوں کی بارات گئی
پھول تو اب بھی کھلتے ہوں گے
خوشبو تیرے ساتھ گئی

قمر اقبال ایک ممتاز صحافی اور مشہور شاعر تھے۔ آپ کو صنف ''تثلیث'' پہ کافی کمال حاصل تھا۔ اس کے بعد دوست محمد خان نے قمر اقبال کی خوبصورت غزل ارباب ذوق کے نذر کی۔

بانٹ لے دکھ درد ایسا کون ہے
غیر ہے وہ بھی تو اپنا کون ہے
آنکھ میں پھرتی ہے اک پرچھائیں سی
تو نہیں ہے وہ تو تجھ سا کون ہے
تاب سچائی کی لائے کیا کوئی
سامنے سورج کے ٹھہرا کون ہے

مرنے والے کو تو کاندھا دے دیا
ورنہ سچ پوچھو تو زندہ کون ہے
ڈھونڈتے ہیں سب یہاں خوشیاں قمر
درد کو اپنا سمجھتا کون ہے

دکن میں غزل گوئی کی بات کی جائے، خصوصاً شہر اورنگ آباد میں اور معروف نقاد، محقق، مترجم، ادیب اور شاعر اسلم مرزا کا مقبول کلام نہ پڑھا جائے تو محفل ادھوری لگتی ہے۔ دوست محمد خان نے اسلم مرزا کی چند پیاری غزلوں کو اپنی آواز اور خوبصورت نشست و برخواست کی ادائیگی سے پُر کیف بنا دیا۔ تمام غزلوں سے سامعین محظوظ ہوئے۔ اس موقع پر فواد قاضی نے صاحب کلام اسلم مرزا کا استقبال کیا۔

اسلم مرزا کی ایک غزل ملاحظہ فرمائیں۔

مکیں خاموش ہیں گھر بولتے ہیں
ہمارے شہر میں ڈر بولتے ہیں
بصیرت ہو تو قطرے میں سمندر
سماعت ہو تو منظر بولتے ہیں
وصالِ یار کا افسوں سلامت
رگ و پے میں سمندر بولتے ہیں
وہیں کھلتا ہے ظرفِ پادشاہی
جہاں پورس سکندر بولتے ہیں
سجاؤ ان کے شانوں پر صلیبیں
جو سچی بات منہ پر بولتے ہیں

اس کے بعد دوست محمد خان نے اورنگ آباد کے ابھرتے نوجوان شاعر احمد اورنگ آبادی جن کی غزل میں عشق و وفا کا درس بھی ہے، انسانی رشتوں کی پامالی، کیفیتِ رنج و الم و اصلاحی مضامین بھی جنھیں اورنگ آبادی نے علم بیان کی روشنی میں اچھوتے استعارے و تشبیہات کے ذریعہ قلم بند کیا ہے پیش کیا۔ غزل کے چند اشعار پیش ہیں۔

کیا اور حالِ زار کا قصہ سنائیں ہم
ہر سو بدن پہ زخم ہیں کیا کیا دکھائیں ہم
حیرت سے دیکھتی ہے یہ دنیا جبیں کے داغ
اب ہائے کیسے وقت کا لکھا مٹائیں ہم
احمد ہر ایک شئے میں ہے پنہاں اسی کا نور
لازم ہے چشمِ شوق کو بینا بنائیں ہم

☆

محفل غزل کا پروگرام رات بارہ بجے تک چلتا رہا۔ پروگرام میں اردو ادب نواز شخصیات و معزز شہریان کثیر تعداد میں موجود تھے۔ خالد سیف الدین کے شکریہ پر پروگرام کا اختتام عمل میں آیا۔ پروگرام کے میزبان سالک حسن خان، کنوینر محمد اختر خان، کو کنوینر سید ذاکر اور رابطہ کار سید اطہر احمد تھے۔

☆☆☆

غزل

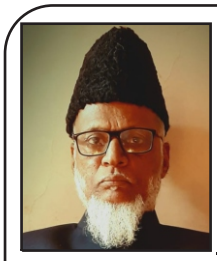

بشیر احمد راہی (جالنہ)
موبائل : 9325591507

رویہ سے تو کچھ وابستگی معلوم ہوتی ہے
مگر اک چیز ہے جس کی کمی معلوم ہوتی ہے
جو دیکھیں خرمنِ باطل تو سر تا پا وہ شعلہ ہیں
بظاہر ان کی فطرت شبنمی معلوم ہوتی ہے
غموں سے چور ہو کوئی تو اس کو حوصلہ دینا
لبوں پر مسکراہٹ دل لگی معلوم ہوتی ہے
بھٹک کر کارواں منزل سے آخر دور کیوں پہنچا
کہ اس میں رہزنوں کی رہبری معلوم ہوتی ہے
تمہاری زندگی میں رونقیں ہیں، عیش ہے، لیکن
مجھے اسلام میں تو سادگی معلوم ہوتی ہے
یہی لہجہ، یہ اندازِ تکلم، گفتگو، راہی
کہ اس سے شخصیت بھی آپ کی معلوم ہوتی ہے

رازدارِ جہانِ دانش

(ڈاکٹر دوست محمد خان)

شاعر : ڈاکٹر ذاکر خان ذاکرؔ (ممبئی)
موبائل : 9224392197

اے جہانِ دانش و بینش کے رمز و رازدار
اے زمینِ علم و فن کے امتیاز و افتخار
ہیں چراغِ علم کی ضوباریاں تیرے سبب
ہیں جہانِ ساز کی سرداریاں تیرے سبب
ہیں متاعِ فکر کی سالاریاں تیرے سبب
طبلہ و بربط کی سب رعنائیاں تیرے سبب
یاد تیرا دیر تک رکھے گی دنیا انکسار
اے جہانِ دانش و بینش کے رمز و رازدار

نرم خوئی سے کبھی تحریر سے تقریر سے
نسلِ نو کی آبیاری تو نے کی تدبیر سے
ایسے رشتہ ہے ترا ہر خواب سے تعبیر سے
جیسے رشتہ آہنی زنجیر کا زنجیر سے
تیرا شیوہ حرمتِ تدریس ہے لیل و نہار
اے جہانِ دانش و بینش کے رمز و رازدار

ذہن و دل کی خاک سے حکمت کا چمکا یا ہلال
تو نقیب العصر ہے تو ہی حسین و پر جلال
تو عدیم الوصف ہے تو باکمال و بے مثال
علم و فن کے ذرّے ذرّے میں بسا تیرا خیال
ہیں کتابِ زیست کے صفحات تیرے شاہکار
اے جہانِ دانش و بینش کے رمز و رازدار

تو سفیرِ روشنی ہے تو نظیرِ زندگی
تو دبیرِ عقل ہے تو ہی مشیرِ آگہی
شہریارِ دل بھی تو ہے تو سریرِ دوستی
تو فقیرِ بابِ الفت تو امیرِ دلبری
تشنہ دہنوں کے لئے تو ہے مثالی آبشار
اے جہانِ دانش و بینش کے رمز و رازدار

کہکشاں در کہکشاں روشن گہر راہیں تری
وا جہانِ شوق میں ہیں ہر گھڑی بانہیں تری
جلوہ گاہِ ناز میں ہیں چارسو باتیں تری
مسکرا کر روز ملتی ہیں حسیں یادیں تری
ہیں دھنیں تیری سراپا افتخار و شاہکار
اے جہانِ دانش و بینش کے رمز و رازدار

چشمہ سازِ فیض میں بس تو ترا انداز ہے
مرغ زارِ قلب میں رقصاں تری آواز ہے
دھن تری ہے بھیروی نغمہ ترا شیراز ہے
محفل یاراں سے آگے بس تری پرواز ہے
ہے یہ ذاکرؔ کی دعا خوش تجھ کو رکھے کردگار
اے جہانِ دانش و بینش کے رمز و رازدار

☆☆☆

توشیحی نظم

بنام دوست محمد خان

شاعر : ڈاکٹر یوسف صابرؔ
(اورنگ آباد) مہاراشٹر
موبائل : 9326772575

دوست ہیں علم وادب کے ماہر تعلیم ہیں
ذات میں ہیں انجمن اپنی بڑی تنظیم ہیں
وارث حرف وقلم ہیں فلسفی وموسیقار
معتبر ہیں محسن انسانیت وباوقار
سازاور آواز پر ہے دسترس حاصل انھیں
سوز جس میں ہے بھرا ایسا ملا ہے دل انھیں
تندرستی کا بہت رکھتے ہیں اپنے یہ خیال
یہ شریف النفس ہیں اور سادگی میں بے مثال
محفلوں میں رونقیں بڑھتی ہیں ان کے آنے سے
اور محفل میں کمی رہتی ہے ان کے جانے سے
حال ان کا خوب ہے ماضی بھی ان کا خوب تھا
درس اور تدریس کا پیشہ انھیں محبوب تھا
مسکراہٹ ہے لبوں پر اور زباں پر ہے مٹھاس
دلکشی ہے گفتگو میں اور ہے انداز خاص
مرہم زخم ودل و جاں لگتی ہیں جو غزلیات
ان کو گا کر پیش یہ کرتے ہیں سب کے دل کی بات
دردمندی دوستی اخلاص کے ہیں یہ دھنی
جھوٹ اور مکاری سے ان کی نہیں بالکل بنی
خدمت خلق خدا کا شوق ان کے دل میں ہے
حاصل علم وادب کا ذوق ان کے دل میں ہے
ان کو اردو اور انگلش دونوں پر بھی ہے عبور
پر نہیں ہے علم پر اپنے ذرا سا بھی غرور
نہ تو سگریٹ نہ تمباکو اور نہ ہی شوق پان
اپنی صحت کا یہ صابرؔ خوب رکھتے ہیں دھیان

معقول جذبات انگیز طرزِ عمل کا معالج Rational Emotive Behaviour Therapy کے تحت

ڈاکٹر دوست محمد خان موبائل : 9890555169

یہ مضمون ایک نفسیاتی طرزِ عمل اور تجزیہ کا حامل ہے۔ موجودہ زمانہ ایک بین الاقوامی مسابقت، سائنس اور ٹیکنالوجی، معاشی، سیاسی، مذہبی عوامل کا دور ہے۔ یہاں ایک باشعور فرد اپنے آپ کو اس ماحول میں ڈھالنے اور اپنی بقا کو قائم رکھنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے اور انتھک جدوجہد کرتا ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتا اور پھر وہ ناامیدی، مایوسی اور محرومی کا شکار ہوجاتا ہے۔ اس کی کیا وجوہات ہوسکتی ہیں، اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر فرد کو ذہنی، جسمانی اور منطقی خصوصیات، عقل و سمجھ سے نوازا ہے۔ کچھ افراد اپنی زندگی میں کامیابی اور ترقی کی طرف گامزن ہوتے ہیں اور کچھ ناکامی اور نامرادی کا شکار ہوجاتے ہیں اور احساسِ کمتری میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اس کو سمجھنے کے لئے ہمیں ''نظام اعتقاد'' *(Belief system)* کا گہرائی سے جائزہ لینا ہوگا۔ اس مقالے کے آخر میں ناکامی، مایوسی، محرومی ان کیفیات سے کیسے باہر آسکتے ہیں اور ان پر کیسے قابو پایا جاسکتا ہے صراحت کی گئی ہے۔

نظامِ اعتقاد ایک باہمی معاون اعتقادات کا سلسلہ ہے۔ ان اعتقادات کی درجہ بندی مذہبی، فلسفیانہ، سیاسی، نظریاتی یا ان سب کے مجموعے کے طور پر کی جاسکتی ہے۔ کسی شخص یا معاشرہ کا نظام اعتقاد اس بات پر منحصر ہوتا ہے کہ ان کے اعتقادات آیا صحیح ہیں یا غلط، سچے ہیں یا جھوٹے۔ انتہائی بنیادی سطح پر نظام اعتقاد یادداشت کا ایک مجموعہ ہے۔ زندگی کی ابتداء ہی سے تمام معلومات یادداشت کی شکل میں دماغ میں محفوظ ہوتی جاتی ہیں۔ یادداشت ایک قسم کی سوچ ہے جو اپنی چھاپ دماغ میں مستقل طور پر چھوڑ جاتی ہے اور وقتِ ضرورت شعور میں

''نظام اعتقاد'' (Belief system)

واپس آسکتی ہے۔ یادداشت انسانی اکتساب *(learning)* کا ایک بنیادی حصہ ہے۔ اگر دماغ اس قابل نہیں ہے کہ وہ معلومات کا ذخیرہ کرے اور اس کو یادداشت میں

● انڈین اسوسی ایشن آف سائیکالوجی ۲۰۰۹ء کی جانب سے
ڈاکٹر دوست محمد خان کو ایوارڈ (بدست پدم شری فاطمہ زکریا)

لائے، اکتساب ممکن نہیں ہے۔

پیدائش سے ہی حسّی اندراجات جیسے مناظر، آواز، بو، احساسات، ذائقہ وغیرہ دماغ میں محفوظ کرلئے جاتے ہیں اور انسان اس کا استعمال کرکے ہمارے اطراف کی دنیا کا احساس کرتا ہے۔ بھوک کا احساس بچے کو رونے پر مجبور کرتا ہے اور نتیجتاً اُسے دودھ پلانا پڑتا ہے اور یہ عمل جب بار بار دہرایا جاتا ہے تو یہ اعتقاد پختہ ہوجاتا ہے کہ رونا اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کا ایک مؤثر طریقہ ہے۔ انسانی دماغ ایسی معلومات کو منظّم کرنے اور ان کی درجہ بندی کرنے میں مصروف رہتا ہے اور مستقل طور پر ایسی معلومات کی تختی کی مدد سے بعد ازاں سوچ، قوت فیصلہ اور طرزِ عمل کی رہنمائی کرتا ہے کہ پچھلی بار میں نے کیا کیا؟ اور اب میں کیا کروں؟ اس طرح منظّم طریقے سے ہمارے اطراف کا احساس دلانے کا یہ طریقۂ کار ''نظام اعتقاد'' کہلاتا ہے۔ نظامِ اعتقاد کو ایک چھلنی تصور کرلیں، جس میں آنے والی معلومات چھن کر جمع ہوتی جاتی ہیں اور پھر ہمارا یہ نظام ان معلومات میں ردوبدل کرکے قطعی حقیقت سے آشنا ہوتا ہے۔ بہت سے محقق اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ چھ سال کی عمر میں کسی شخص کا نظام اعتقاد اچھی طرح سے وجود میں آجاتا ہے۔ چھ سال کی عمر میں بچے اپنے طور پر اچھی طرح سمجھنے لگتے ہیں کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا۔ کیا غلط ہے کیا صحیح، کیا جائز ہے اور کیا ناجائز۔ اور حیران کن بات ہے کہ یہ اعتقادات جو اتنی کم عمری میں وجود میں آتے ہیں ان میں اس وقت تک جب تک کہ کوئی مسائل کھڑے نہیں ہوتے۔ قبل از بلاغت یہ یادداشت کا مجموعہ جو کسی اعتقاد کا حامی ہو، کافی وسیع ہوجاتا ہے۔ اس کے برعکس خیالات جو کسی متبادل اعتقاد سے پیدا ہوتے ہیں بہت کم ہوتے ہیں۔ نئے متبادل اعتقادات بھی اسی طرح وجود میں آتے ہیں جس طرح پرانے یعنی وقت واحد میں ایک خیال۔ جیسے جیسے نئے خیالات حافظے میں نقش ہوتے جاتے ہیں، متبادل اعتقادات وجود میں آنے لگتے ہیں۔ اور اگر انھیں کافی وقت ملے اور صبر و استقلال سے سوچا جائے تو نئے اعتقادات کا ایک ذخیرہ وجود میں آئے گا اور پرانے اعتقادات کی نفی ہوتی جائے گی۔ خوش قسمتی سے ہم اس عمل کو تیز کرسکتے ہیں، ہم شعوری طور پر خیالات کو دہراتے ہیں۔

اعتقاد کیا ہے؟ اعتقاد ایک سوچ ہے جسے ہم حقیقت سمجھتے ہیں اور مان لیتے ہیں کہ یہ سچ ہے۔ ان اعتقادات کا استعمال ہم اِس دنیا کو سمجھنے اور اسے راہ راست پر چلانے

اور اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لئے کرتے ہیں۔ اور اسی لئے عموماً ہم کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے اعتقادات محفوظ ہو جائیں۔ بڑے محتاط طریقے سے ہم اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہمارے اعتقادات ایک غیر شعوری حرکی کا کام کرتے ہیں، یہ ایک بار جب وجود میں آجائیں تو وہ ہمارے دل میں گھر کر جاتے ہیں اور انھیں ہم حقیقت تسلیم کرتے ہیں بھلے سے وہ سچ ہو یا نہ ہو۔ اِن اعتقادات کو ہم اپنے دماغ میں محفوظ کر لیتے ہیں اور محتاط طریقے سے برتتے ہیں اور پھر یہ ہمارے دماغ میں پختہ ہو جاتے ہیں۔ اسی بنیاد پر کسی شئے یا فرد کا تیقن کر لیتے ہیں کہ وہ اچھا ہے یا برا، صحیح ہے یا غلط، خوبصورت ہے یا بدصورت، پسندیدہ ہے یا غیر پسندیدہ، محفوظ ہے یا غیر محفوظ، مستحق ہے یا غیر مستحق، قابل قبول ہے یا ناقابل قبول۔ ہمارے اعتقادات یہ بھی طئے کر لیتے ہیں کہ ان کے کیا ممکنہ محاصل ہیں۔

اعتقاد کی تعریف :(۱) اعتقاد ایک دماغی سوچ ہے جس میں ایک فرد بغیر کسی تجربہ اور مشاہدے کے کسی شئے کو سچ مان لیتا ہے کہ وہ حقیقت ہے بھی یا نہیں۔ (۲) اعتقاد کسی شئے کی سچائی کا دماغی نقطۂ نگاہ ہے۔ مثال کے طور پر ہم یہ غور نہیں کرتے کہ سورج نکلے گا یا نہیں بلکہ مان لیتے ہیں کہ سورج ضرور نکلے گا کیونکہ اعتقاد دنیوی زندگی کا ایک اہم پہلو ہے۔

اعتقاد کس طرح تشکیل پاتا ہے؟

اعتقاد عموماً دو طرح سے تشکیل پاتے ہیں۔

(۱) ہمارے اپنے تجربات، استنباط اور قیاس کی مدد سے

(۲) دوسروں کی رائے تسلیم کر لینے سے کہ کیا سچ ہے۔

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کا دماغ صاف تختی کی طرح ہوتا ہے اور اس میں کسی قسم کے اعتقاد کی چھاپ نہیں ہوتی لیکن قدرتی طور پر ہم متجسّس ہونے کی وجہ سے ہر ایک شئے میں معنی تلاش کرتے ہیں۔ ہمارے والدین، افرادِ خاندان، ماحول، دوست و احباب ہمارے اعتقاد ڈھالنے میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم بذاتِ خود اس قابل نہیں ہوتے ہیں کہ سچ اور جھوٹ میں تمیز کر سکیں۔ اس لئے اکثر دوسروں کے کہنے پر سچ کیا ہے؟ قبول کر لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب ایک بچے کو کھانا پروسہ جاتا ہے اور اگر بچہ پورا کھانا نہیں کھاتا تو والدین اُسے ڈانٹتے ہیں کہ اچھے بچے پورا کھانا ختم کرتے ہیں اور ناشکری نہیں کرتے اور پھر بچے دوسری مرتبہ پورا کھانا ختم کرتے ہیں بھلے سے ان کا برا حال کیوں نہ ہو جائے تاکہ ناشکری ان سے سرزد نہ ہو۔ جب ہم کسی چیز کو حقیقت مان لیتے ہیں تو یہ اعتقاد ہمارے غیر شعوری دماغ میں بس جاتا ہے اور پھر ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ اعتقاد صحیح ہے یا غلط اور اس کی ہم قطعی پرواہ نہیں کرتے۔ ہمارا غیر شعوری دماغ ایک خودحرکی کی طرح کام کرتا ہے تاکہ ہماری زندگی آسان ہو جائے اور ہم محفوظ ہو جائیں۔

اعتقاد کی قسمیں :

اعتقادات یا تو *Empowering* (مثبت اختیاری) ہوتے ہیں یا *Limited* (محدود) منفی

مثبت اعتقادات : یہ اعتقادات ہمیں کسی کام سے پیچھے نہ ہٹنے، خود اعتمادی، خیالات و جذبات کو بڑھاوا دینے میں مدد کرتے ہیں۔

منفی اعتقادات : یہ ہماری اہلیت کی تکمیل میں مانع ہوتے ہیں۔ ہمیں پست ہمت کرتے ہیں اور منفی خیالات اور جذبات کو ابھارتے ہیں۔

نیچے کی مثالوں سے واضح ہو جائے گا کہ ہم کس طرح سوچتے ہیں، محسوس کرتے ہیں اور اُس پر عمل کرتے ہیں۔

مثالیں :(۱) میں اگر ورزش کرتا ہوں اور صحیح غذا استعمال کرتا ہوں تو میں چھریرا اور صحت مند رہ سکتا ہوں۔

(۱) میری جسمانی ساخت ہی کچھ ایسی ہے کہ میں اپنا وزن کم نہیں کر سکتا چاہے میں جو کچھ کر لوں۔

(۲) میری کامیابی کا انحصار سخت محنت پر ہوگا نہ کہ میری تعلیمی قابلیت پر۔ (۲) میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کے میں ماسٹرس ڈگری حاصل نہ کر لوں۔

(۳) میں ایک پُرکشش اور پسندیدہ شخص ہوں۔

(۳) میں ایک غیر دلکش اور ناپسندیدہ شخص ہوں۔

(۴) میرا بڑھاپا کوئی بھی کام کرنے میں حائل نہیں ہوتا کیونکہ میری دانشمندی اور تجربہ میرے مددگار ہیں۔

(۴) میرا بڑھاپا کوئی بھی کام کرنے میں حائل ہو جاتا ہے اور اب مجھ میں کسی بھی کام کرنے کی سکت باقی نہیں رہی۔

(۵) مجھے اپنی شادی کے لئے مناسب شخص کی کمی نہیں۔ بس مجھے باہر نکلنا ہے اور لوگوں سے ملاقات کرنا ہے۔

(۵) مجھے اپنی شادی کیلئے شاید ہی کوئی مناسب شخص ملے۔

(۶) لوگوں کی اکثریت ایماندار اور رحم دل ہے۔

(۶) زیادہ تر لوگ بے ایمان اور بے رحم ہیں اور مجھے ان سے دھوکے کا خدشہ ہے۔

اس طرح ہمارے اعتقادات ہماری حقیقت پسندی کا مظہر ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود بیشتر لوگ اُن کے اپنے اعتقادات سے لاعلم ہوتے ہیں کیونکہ انھیں اپنے اعتقادات کا سنجیدگی سے تجزیہ کرنے کا وقت ہی نہیں ملا۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگ مشکل ترین حالات میں بھی کامیابی حاصل کرتے ہیں اور کچھ ناکام رہتے ہیں۔ اس لئے یہ بہت اہم ہے کہ ہم اپنے اعتقادات کا جائزہ لیں اور اپنے منفی اعتقادات کو مثبت میں بدلیں۔ آخر کیوں ہم ان منفی اعتقادات کے ساتھ جئیں جو ہمیں پستی میں ڈھکیلتے ہیں اور ناخوش رکھتے ہیں اور ہماری صلاحیتوں اور ہماری ترقی میں حائل ہوتے ہیں۔

ہم کس طرح ان منفی اعتقادات کی شناخت کریں اور ان پر قابو پائیں؟ ان منفی اعتقادات کو پہچاننے کے لئے آپ کو وقت دینا پڑے گا، کوشش کرنی پڑے گی اور مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات ڈھونڈنے پڑیں گے۔

(۱) اپنی زندگی کے وہ کون سے شعبے ہیں جہاں آپ جو چاہتے ہیں حاصل نہیں ہوتا۔ (۲) باوجود کوشش کے وہ کون سے شعبے ہیں جہاں آپ کو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ (۳) آپ کی زندگی کے وہ کون سے حالات ہیں جہاں اپنے آپ کو آپ کمزور، بے بس، نااہل اور پچھڑا ہوا محسوس کرتے ہیں۔

بے شک یہ بہت مشکل سوالات ہیں جو آپ خود سے کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے آپ کو وقت نکال کر ان سوالات کے جوابات ڈھونڈنے پڑیں گے بھلے سے وقت زیادہ لگے۔ لیکن ایمانداری سے ان سوالات کے جوابات لکھئے۔ دھیان میں رکھئے کہ ان جوابات پر عمل پیرا ہونے پر جو نتائج حاصل ہوں گے وہ بہت اطمینان بخش، تسلی بخش، ہمت افزا اور فائدہ مند ہوں گے۔ ☆☆☆

کیا اردو ذریعہ تعلیم عصری تعلیمی تقاضوں کو پورا کرتا ہے؟

ایکسلنس ایجوکیشن ایوارڈ حاصل کرتے ہوئے ڈاکٹر دوست محمد خان۔
(نیشنل ایجوکیشن اینڈ ہیومن ریسورس ڈیولپمنٹ HRD۔یکم مارچ ۲۰۰۶ء)

ڈاکٹر دوست محمد خان

(کرناٹک اردو اکیڈمی کے تحت گلبرگہ میں مورخہ ۱۴؍دسمبر ۲۰۱۶ء کو ایک روزہ سمینار میں پیش کردہ مقالہ)

اس عنوان کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ ترمیمات کے ساتھ یہ مقالہ جو ۱۴؍دسمبر ۲۰۱۶ء کو گلبرگہ میں میں نے پیش کیا تھا پیش خدمت ہے :

اس عنوان کے تین ممکنہ جوابات ہو سکتے ہیں :

(۱) اردو ذریعہ تعلیم عصری تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔

(۲) پورا نہیں کرتا اور (۳) کسی حد تک پورا کر سکتا ہے۔

ان میں سے کوئی بھی جواب قابل قبول نہیں ہو سکتا، کیونکہ (i) : یہ انتہائی وسیع موضوع ہے۔(ii) اس کے لئے جو اعداد و شمار درکار ہیں اس کو حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے برابر ہے اور اگر یہ ممکن ہے تو انتہائی مشکل ہے۔ (اعداد و شمار کم سے کم ۱۹۸۰ء سے تا حال) (iii) کوئی ادارہ یا ایجنسی ایسی نہیں، سوائے اسٹیٹ اردو اکاڈیمی اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے جو اس کام کو پورا کرنے کا بیڑہ اٹھائے۔

اس عنوان کے دو حصے کئے جا سکتے ہیں ایک ''اردو ذریعہ تعلیم کا جائزہ'' اور دوسرا ''عصری تعلیمی تقاضے'' ان پر روشنی ڈالنے کے بعد ہی کچھ کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ صورتحال کیا ہے۔

(۱) اردو ذریعہ تعلیم : یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہندوستان کی آزادی سے پہلے ہی اردو ذریعہ تعلیم میں کمی آنے لگی اور سوائے مسلمانوں کے اپنے بچوں کو اردو سے تعلیم دلوانے کا رجحان دوسرے مذاہب کے لوگوں میں تقریباً ختم ہو گیا کیونکہ تقسیم کے بعد بہت زور و شور سے یہ پروپگنڈہ کیا گیا کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے۔اس کی دو وجوہات تھیں ایک تو یہ کہ مسلمانوں کی مذہبی کتابیں جیسے حدیث، فقہ، ترجمہ اور تفسیر قرآن اردو میں چھپی تھیں اور دوسرے یہ کہ تقسیم ہند کے بعد اردو کو پاکستان میں بہت زیادہ اہمیت دی گئی تھی اور اردو پاکستان کی سرکاری زبان تھی۔ پھر کیا تھا تمام غیر مسلموں نے اردو کا ایک طرح سے بائیکاٹ کر دیا۔ آزادی کے بعد مسلمانوں کی معاشی اور تعلیمی پسماندگی بڑھتی گئی اور مسلمانوں نے اپنے بچوں کو اردو ذریعہ تعلیم سے پڑھانا شروع کیا کیونکہ اُن کے پاس اس کا کوئی متبادل نہ تھا۔آزادی کے بعد انگلش ذریعہ تعلیم نہ کے برابر تھا۔ملک میں گنے چنے انگلش میڈیم اسکول تھے۔نہ صرف مسلمان بلکہ دیگر مذاہب کے لوگ بھی انگلش میڈیم سے اپنے بچوں کو تعلیم دلوانا ایک عار سمجھتے تھے، اُس وقت زیادہ تر لوگ اپنے بچوں کو علاقائی زبان میں تعلیم دلواتے تھے، جیسے مہاراشٹر میں مرہٹی، کرناٹک میں کنڑ، تلنگانہ میں تیلگو وغیرہ۔لیکن اُس وقت اور آج بھی اردو ہندوستان کے کسی بھی علاقے کی زبان نہ تھی۔ کچھ علاقے جیسے حیدرآباد، اورنگ آباد، بیجاپور، گلبرگہ، بیدر وغیرہ جو نظام حکومت کے زیر انصرام تھے میں اردو ذریعہ تعلیم رائج تھا لیکن باقی ریاستیں جیسے اتر پردیش، مدھیہ پردیش، گجرات، اڑیسہ وغیرہ میں اردو ذریعہ تعلیم اور اردو مدارس نہ کے برابر تھے۔ سارے ہندوستان میں ایک عثمانیہ یونیورسٹی ہی تھی جہاں کالج سطح تک اردو ذریعہ تعلیم تھا جیسے طب، انجینئرنگ، معاشیات وغیرہ۔دارالترجمہ کے تحت ان شعبوں کے نصاب مرتب کئے گئے تھے اور اردو کتابوں کے ذریعہ مواد بھی فراہم کیا گیا تھا لیکن بعد میں یہ عمل رک گیا اور آج سارے ہندوستان میں کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر اردو ذریعہ تعلیم مفقود ہے۔مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد اور اس کی شاخیں اورنگ آباد، آسنسول، دربھنگہ، بھوپال، نوح، سنبل، شری نگر وغیرہ میں ٹیکنیکل پروفیشنل اور کچھ سائنسی علوم اور اردو ذریعہ تعلیم سے پڑھائے جاتے ہیں۔

کچھ ریاستوں میں زیادہ سے زیادہ بارہویں جماعت تک سائنس، ٹیکنالوجی، کمپیوٹر وغیرہ کی تعلیم بذریعہ اردو دی جاتی ہے لیکن خود اردو کے طلباء اس سے مطمئن نہیں ہیں۔آج کے دور میں مسلمانوں میں تعلیمی شعور بڑھتا جا رہا ہے لیکن المیہ یہ ہے کہ اس میں بھی تین طبقات وجود میں آئے ہیں۔ ایک وہ طبقہ جنھیں ہم اعلیٰ طبقہ (Elite) کہیں گے جن کی معاشی حالت مستحکم ہے، انگلش کا دلدادہ ہے، اس طبقے کے لوگ اردو زبان کو ایک ناکارہ اور فرسودہ زبان سے تعبیر کرتے ہیں بلکہ اردو کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، اپنے بچوں کو انگلش میڈیم سے پڑھاتے ہیں۔ دوسرا متوسط طبقہ جو نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے بچوں کو علاقائی زبان سے تعلیم دلواتا ہے جیسے مہاراشٹر میں مرہٹی، کرناٹک میں کنڑی وغیرہ اس امید پر کہ اُن کے بچے کچھ روزگار جٹا پائیں گے اور کسی حد تک یہ درست بھی ہے اور دوسری مجبوری یہ ہے کہ دیہاتوں میں اردو میڈیم اسکول نہ کے برابر ہیں لیکن تمام طبقات کے مسلمان شاید یہ بھول جاتے ہیں کہ کسی قوم کی بقا کی ضامن اس کی اپنی مادری زبان ہوتی ہے۔اُس کا مذہب، تہذیب و تمدن اور اُس کی شناخت مادری زبان پر منحصر ہوتی ہے۔

کہا گیا ہے کہ اگر کسی قوم کو تباہی سے ہمکنار کرنا ہو تو اس کی زبان چھین لی جائے وہ خود بخود ختم ہو جائے گی۔ شاید یہی مسلمانوں کے ساتھ ہو رہا ہے اور وہ یہ سب کچھ خاموش تماشائی بنے دیکھ رہے ہیں اور وہ خود اپنی زبان سے دور ہوتے جا رہے ہیں اور شاید اُن کو اس کی قطعی پرواہ نہیں ہے، اسی لئے شاید ظہیر انصاری نے اپنے اداریہ ''تحریر نو'' اکتوبر ۲۰۱۴ء میں اردو معاشرہ کو منافق کہہ کر پکارا ہے۔اُن کا کہنا ہے ''پورا اردو

معاشرہ منافقت میں جی رہا ہے، کسی کو انعام واکرام کی پڑی ہے تو کسی کو پروفیسر شپ اور ہیڈ شپ کی، تو کوئی چیرمین بننا چاہتا ہے تو کوئی بڑے ادارے کا ڈائریکٹر۔ سب خوشامد میں لگے ہوئے ہیں جو سراسر اسلام کے منافی ہے اور اخلاق و مورال کے بھی۔ مطمح نظر صرف اور صرف روپیہ کمانا اور لائم لائٹ میں رہنا رہ گیا ہے اور وہ بھی اردو کی کھیتی کر کے۔ تو ظاہر ہے کہ ویسے لوگ کہاں سے آئیں گے جو اسٹبلشمنٹ، حکومت یا کسی (منتظم) تنظیم کی غلط کارکردگیوں اور پالیسیوں کے خلاف آواز اٹھا سکیں نیز دوسری زبان کے ادیبوں اور دانشوروں کی طرح کم از کم بیان دے سکیں۔''

اب رہا سوال کہ اردو ذریعہ تعلیم کی ہندوستان میں کیا حالت ہے۔ اظہر فاروقی نے ''ہندوستان میں اردو تعلیم کا سروے'' (ماہنامہ 'تحریر نو' اکتوبر ۲۰۱۴ء) میں بتایا ہے کہ ''اردو کے فروغ میں سرکاری اردو اداروں کی دلچسپی قطعی نہیں ہے ورنہ اب تک ہمارے پاس ہر صوبے کے سروے موجود ہوتے۔ اُن کی کسی چیز پہ توجہ نہیں ہے۔ یہ طئے ہے کہ جب تک پرائمری اور ثانوی سطح پر اسکول کے نصاب میں اردو کی شمولیت نہیں ہوگی۔ اردو تدریس کا معیار بہتر نہ ہو سکے گا اور اس صورت میں اردو کی ترقی کی تمام کوششیں کارِ عبث کے سوا کچھ نہیں۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ ''اردو میں ابتدائی اور ثانوی سطح کے اسکولوں میں اردو اساتذہ کی عدم دستیابی، خود بر سرکار اساتذہ کا ناقص علم وطریق اردو کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔''

اس ذیل میں سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ اکثر اردو میڈیم اسکولوں میں وہ اساتذہ تعینات کئے جا رہے ہیں جو ہندی یا علاقائی زبانوں کے تربیت یافتہ ہیں۔ غرض اردو تعلیم کا مجموعی منظر نامہ خواہ وہ زبان کی تعلیم ہو یا پھر ذریعہ تعلیم کا مسئلہ ہر اعتبار سے اس قدر ناقص ہے کہ اردو اساتذہ سے بہتر تدریس کی امید کرنا فضول ہے۔ اردو میڈیم سے مختلف مضامین کی تعلیم کا انتظام تقسیم کے بعد شاذ و نادر ہی بچا۔ اس لئے اردو میڈیم کے اساتذہ اکثر علاقائی زبانوں کے میڈیم یا پھر انگریزی میڈیم سے گریجویشن اور پوسٹ گریجویشن کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اردو ذریعہ تعلیم کے اس تناظر میں اب ہم دیکھتے ہیں کہ عصری تعلیم کے تقاضے کیا ہیں اور کس حد تک اردو ذریعہ تعلیم اس کو پورا کرتا ہے۔

(۲) عصری تعلیمی تقاضے : آج کے اس مسابقتی دور میں عصری تعلیمی تقاضے بے شمار ہیں جیسے سائنس، طب، انجینئرنگ، ٹیکنالوجی، کمپیوٹر سائنس، خلائی سائنس، کامرس، معاشیات وغیرہ۔ ایک زمانے میں یعنی ۱۸۳۵ء میں کمپنی سرکار نے انتظامیہ، عدلیہ اور مالیہ کے دفاتر میں کام کاج کے لئے فارسی کے متبادل مقامی زبان (یعنی ورنا کیولر) کو رائج کرنے کا فیصلہ کیا تھا تو اس وقت شمالی ہندوستان میں اردو ہی وہ زبان تھی جو اس ذمہ داری کو سنبھالنے کے لئے متفقہ طور پر منتخب کی گئی تھی اور اردو نے اس ذمہ داری کو نہ صرف نبھایا تھا بلکہ اس وقت رائج اعلیٰ سائنسی تعلیم کا بوجھ بھی کسی قدر مستعدی سے سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔ (بحوالہ 'اردو دنیا' جون ۲۰۱۵ء افتخار عالم خان) لیکن اب صورتحال بالکل مختلف ہے۔ اردو زبان میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے درس و تدریس کی صلاحیت اور امکانات کے بارے میں کچھ کہنے سے پہلے ہم یہ اعتراف کرنے کی اجازت چاہیں گے کہ آج اردو پر ہی کیا منحصر ہے بلکہ ہندوستان کے آئین کے جدول میں موجود تمام علاقائی زبانیں (بشمول ہندی) میں سے کوئی بھی زبان اتنی ترقی یافتہ نہیں ہے کہ ہمارے ملک میں رائج موجودہ اعلیٰ سائنسی تعلیم (مثلاً ڈاکٹری، انجینئرنگ، بایوٹیکنالوجی، کمپیوٹر سائنس، خلائی سائنس وغیرہ) کے درس و تدریس کا ذریعہ بن سکے۔ ہماری اعلیٰ سائنسی تعلیم اور ریسرچ انگریزی زبان کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

(اردو دنیا۔ جون ۲۰۱۵ء افتخار عالم خان)

اس کے باوجود اردو ذریعہ تعلیم آج بھی ہندوستان کی کئی ریاستوں میں بہتر کارکردگی انجام دے رہا ہے۔ ہندوستان میں اردو میڈیم اسکولوں کی تعداد سب سے زیادہ مہاراشٹر، کرناٹک، بہار، جموں کشمیر، تلنگانہ میں موجود ہے۔ ماہرین تعلیم و نفسیات اس سے متفق ہیں کہ کوئی طالب علم اگر اپنی مادری زبان سے تعلیم حاصل کرتا ہے تو اُس کا فہم وادراک، سمجھ بوجھ اور بنیادی تصورات کسی اور زبان سے تعلیم حاصل کرنے کے مقابلے میں زیادہ کارآمد ہوں گے اور یہ کہ ثانوی جماعت کے بعد اُسے دوسری زبان (انگلش) میں کوئی مشکل درپیش نہیں ہوگی۔ اب رہا مسئلہ اردو ذریعہ تعلیم کا، عصری تقاضوں کو پورا کرنے کا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے امکانات بہت روشن ہیں بشرطیکہ سرکاری ادارے اور خانگی اقلیتی ادارے اس کو پورا کرنے کی طرف ٹھوس اقدامات کریں۔

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے اردو دنیا مئی ۲۰۱۵ء میں 'ہماری بات' کے تحت قومی اردو کونسل کے اقدامات کو سراہا ہے اور امید ظاہر کی ہے کہ ''اردو زبان صرف ایک زبان ہی نہیں بلکہ ایک تہذیب، ایک ثقافت، یہاں تک کہ رہن سہن اور ہندوستانی اندازِ فکر کا دوسرا نام بن چکی ہے اور اس کا دائرہ عمل بھی اس مشترکہ زندگی کو سجانے سنوارنے کے معاملے میں دور دور تک پھیل گیا ہے۔ آج اس ادارے کے ذریعہ اردو کے علاوہ عربی اور فارسی زبانوں کے تعلیمی کورسیز چل رہے ہیں۔ فاصلاتی نظام تعلیم کا یہ ایک اہم اردو ادارہ بن چکا ہے۔ اردو والوں کی کمپیوٹر خواندگی میں جو کردار اس ادارے نے ادا کیا ہے اس کا ثانی پورے ملک میں کوئی نہیں ہے۔ اردو پڑھے لکھے لاکھوں نوجوانوں کو کمپیوٹر ایجوکیشن سے جوڑ کر اور ملک کے طول وعرض کے لئے سینکڑوں مراکز قائم کر کے کونسل نے انھیں روزگار کے مواقع فراہم کئے ہیں۔ اردو کتابوں کی اشاعت میں ٹائٹلز کی تعداد اور کم قیمت کے لحاظ سے کونسل ملک کا اوّل درجے کا اشاعت گھر بن گیا ہے۔ اس کے علاوہ کونسل اقلیتی فرقوں کے معاشی استحکام کے بھی کئی کاموں سے جڑ چکی ہے۔ اقلیتوں کے روایتی ہنر اور کاریگری کے فروغ اور مہارت کی درجہ بندی کے پراجیکٹ سے کونسل خاص طور پر وابستہ ہے۔ یہاں تک کہ طب یونانی اور آیورویدک کے فروغ سے بھی کونسل نے خود کو وابستہ کیا ہے۔ اردو اساتذہ کے جدید تقاضوں کے مطابق تربیت پر توجہ دے رہی ہے اور فی الحال اس نے اپنے کمپیوٹر مراکز کے اساتذہ کو اس دائرہ میں شامل کیا ہے۔''

خلاصۂ بحث : مندرجہ بالا صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اردو ذریعہ تعلیم عصری تقاضوں کو پورا کرنے میں بہت حد تک کامیاب ہے اور اس کے امکانات بہت روشن ہیں۔ اس لئے والدین جن کا تعلق مسلم اقلیت سے ہے اور ان کی مادری زبان اردو ہے اپنے بچوں کو اردو میڈیم اسکولوں سے تعلیم دلوانے میں کوئی پس وپیش نہ کریں، کیونکہ انگریزی میڈیم سے تعلیم حاصل کرنے والے اقلیتی طلباء ان سے بہتر ہوں گے اس کے امکانات کم ہیں۔

ہندوستان چونکہ ایک بہت وسیع ملک ہے اس لئے قطعی طور پر کچھ کہنا اس وقت تک صحیح نہیں ہوگا جب تک ہمیں اردو ذریعہ تعلیم اور اس کے عصری تقاضوں کو پورا کرنے کے اعداد وشمار تمام ریاستوں سے نہیں مل جاتے اور یہ کام اردو خانگی مدارس، کالجس، یونیورسٹی، ریاستی اردو اکاڈمیوں، فاصلاتی یونیورسٹیاں اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اور NUEPA

(National University for educational planning & administration)

مل کر کر سکتے ہیں۔

☆☆☆

بشر نواز کی غزلیں نغمگی، پروازِ تخیل اور انوکھے اندازِ فکر کا حسین امتزاج

از: ڈاکٹر دوست محمد خان

اللہ تعالیٰ بشر بھائی کی مغفرت کرے، بڑے نیک آدمی تھے۔ میں یہ مضمون اُن کو خراجِ عقیدت کے طور پر لکھ رہا ہوں۔ انھیں مجھ سے بہت لگاؤ تھا۔ وہ ہمیشہ غزل گائیکی میں میری ہمت افزائی کرتے اور مفید مشوروں سے نوازتے۔ بڑے ہی خلوص اور ہمدردی سے پیش آتے۔ وہ میرے محسن تھے۔ اس لئے میرا فرض بنتا ہے کہ اُن کے احسانوں کا بدلہ کم از کم اُن کو خراج عقیدت دے کر چکاؤں۔ میں انھیں خراجِ عقیدت انہی کی غزل کے دو شعروں سے پیش کرتا ہوں۔

وہ رُت بیتی بات گئی
خوشبوؤں کی بارات گئی
پھول تو اب بھی کھلتے ہیں
خوشبو تیرے ساتھ گئی

یہ دونوں شعر بشر بھائی کے جانے کے بعد اُن پر کس قدر کھرے اترتے ہیں اس کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس غزل سے مجھے خاص انسیت ہے۔ ایک دن بشر بھائی بغیر کسی اطلاع کے میرے گھر تشریف لائے اور کہنے لگے کہ وہ ایک خاص کام سے آئے ہیں۔ انہوں نے کاغذ منگوایا اور یہ اوپر کی غزل اور ایک دوسری غزل ''دروازے سارے وا کئے جانے کس آس پر تھے ہم'' یہ غزل (آزادی کے بعد اردو غزل: ایک انتخاب) میں شامل ہے لکھ کر مجھے دی اور کہا کہ یہ اُن کی بہت پسندیدہ غزلیں ہیں اور میں اُن کی دھنیں تیار کروں۔ اس سے پہلے میں نے بشر بھائی کی دو تین غزلوں کی دھن بنائی تھی جسے کافی سراہا گیا۔ میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ اتنا بڑا شاعر مجھ سے یہ خواہش ظاہر کرے کہ اُن کی غزلوں کی دھنیں میں بناؤں۔ پھر کیا تھا اُن کے جانے کے فوراً بعد میں اپنی کوشش میں لگ گیا اور سوچنے لگا کہ آخر یہ دھنیں کس طرح کی ہوں کہ سامعین

اور بشر بھائی کی پسند پر اترے۔ پہلی غزل بہت چھوٹی بحر کی تھی اور چھوٹی بحر کی غزلوں کی دھن بنانا مشکل کام ہے۔ اسی رات میں ہارمونیم لے کر بیٹھا اور یہ غزل گنگانے لگا۔ اچانک ایک دھن میرے ذہن میں آئی۔ میں خود بھی نہیں جانتا تھا کہ یہ کون سا راگ ہے لیکن جب میں نے اس کے نوٹیشن کئے تو معلوم ہوا کہ یہ راگ ''جوگ'' ہے۔ بس پھر کیا تھا بار بار غزل کے الفاظ کے ساتھ اس دھن کو دہراتا رہا اور بہت ہی کم وقت میں اس کا مطلع (استھائی) اور شعر (انترا) کی دھن ذہن پر واضح ہوگئی۔ دوسرا مرحلہ ٹھیکے Rythm کا تھا کہ کون سی تال اس پر موزوں ہوگی۔ خیال آیا کہ کیروا (کہروا) چار اسٹروک (دھا گی، نا کی، نا کی، دھن) والا ٹھیکہ موزوں ہوتا ہے۔ اتنے میں میرے فرزند ڈاکٹر شکیب محمد خان جو طبلہ بجاتے ہیں مشورہ دیا کہ اسٹروک میں تھوڑی سی تبدیلی کر دینے سے اس کا وزن اور بڑھ جاتا ہے اور میں نے ان کا مشورہ قبول کرلیا۔ جی میں آیا کہ صبح ہوتے ہی یہ دھن بشر بھائی کو سنادوں، لیکن میں نے اپنے آپ کو روک لیا۔ اتفاق سے اسی ہفتے جناب جنید صدیقی صاحب کے گھر غزل کی محفل سجی، جس میں بشر نواز، اسلم مرزا، سحر سعیدی، ڈاکٹر مس شریف، نیاز محمد خان اور سی این اٹھولے مدعو تھے، میں نے بشر بھائی کی یہ غزل پیش کی۔ طبلے پر ڈاکٹر شکیب تھے۔ غزل کو ایسی داد ملی کہ بشر بھائی پھولے نہیں سمائے اور میری بہت پذیرائی کی اور شکیب کو بھی پسند کیا۔ یہ پس منظر اس لئے پیش کیا گیا کہ غزل میں نغمگی کیسے سرایت کرتی ہے۔ لفظ

''نغمگی'' کی کوئی تعریف یا تشریح ممکن نہیں۔ بس اسے محسوس کیا جاسکتا ہے اور وہ میں نے اس غزل کو کمپوز کرتے وقت محسوس کیا کہ اتنے کم وقت میں اس کی دھن کیسے بن گئی۔ یہ نتیجہ تھا ''آمد'' کا۔ غزل کے الفاظ، شعروں کی بندش، روانی، لفظوں کی ترتیب، معنی آفرینی، Rythm اور راگ یہ سب مل کر نغمگی کو جنم دیتے ہیں۔ بشر بھائی کی غزلوں کی یہی خاصیت نغمگی کی علامت ہے۔ اسی طرح اُن کی دوسری غزل ''دروازے سارے وا کئے ___'' کی طرز بھی راگ ''بھوپالی'' (بھوپ) میں آناً فاناً بن گئی۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب شعروں میں نغمگی ہو۔ غزل ''وہ رُت بیتی بات گئی'' کو میں نے اپنی سی ڈی ''غزل کا سفر دکن سے دلّی'' میں شامل کیا۔ بشر بھائی کی یہ غزل میں نے ہندوستان کے مختلف شہروں جیسے چندی گڑھ، میرٹھ، اندور، آنند، پونہ، ممبئی وغیرہ میں پیش کی اور بھرپور داد حاصل کی۔ اِس کے بعد یہ سلسلہ چلتا رہا اور بشر بھائی کی آٹھ دس غزلیں میں نے تیار کرلی اور یہ سب غزلیں سامعین کو بے انتہا پسند آئیں۔

اسی غزل کے دو اور شعروں کی طرف آپ کی توجہ چاہوں گا۔

اشکوں کا تو کچھ نہ گیا
آبروئے جذبات گئی
سو چہرے تھے یادوں کے
تکتے تکتے رات گئی

اشک اور آنسو کا استعمال ہر اردو شاعر نے غم، افسردگی، ناامیدی، شکست وریخت کے اظہار کے لئے کیا ہے۔

کیفی اعظمی کے یہ دو شعر ۔

مدت کے بعد اُس نے جو کی لطف کی نگاہ
جی خوش تو ہوگیا مگر آنسو نکل پڑے
جس طرح پی رہا ہوں میں ہنس ہنس کے اشک غم
گر دوسرا پیے تو کلیجہ نکل پڑے

کیف احمد صدیقی کہتے ہیں ۔

کون رویا کہ جس کے اشکوں سے
چادرِ شب دھلی دھلی سی ہے

خمار کہتے ہیں ۔

غم کے مارے جو مسکرائے ہیں
آنسوؤں کو پسینے آئے ہیں

بشر بھائی کے یہاں اِن سب سے ہٹ کر ''اشک'' جذبات کو اجاگر کرنے کا ایک وسیلہ ہے، اشک کیا نکلے گویا جذبات کی آبرو چلی گئی۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بشر بھائی کے سوچنے کا انداز کچھ جداگانہ ہے۔ دوسرے شعر میں بشر بھائی نے یادوں کا تذکرہ کیا ہے۔ بہت سے شعراء نے ''یاد''، ''یادوں کا آنا'' کو مختلف پیراؤں میں باندھا ہے جیسے مخدوم محی الدین کہتے ہیں ۔

آپ کی یاد آتی رہی رات بھر
چشم نم مسکراتی رہی رات بھر

فیض کہتے ہیں ۔

آپ کی یاد آتی رہی رات بھر
چاندنی دل دکھاتی رہی رات بھر

میر کا شعر ہے ۔

یاد کرنا ہر گھڑی تجھ یار کا
ہے وظیفہ مجھ دلِ بیمار کا

ان سب اشعار میں ''یاد''، ''یاد کا آنا'' ایک تصور ہے۔ لیکن بشر بھائی نے یاد کے تصور کو چہرہ میں ڈھال کر ایک نئی کیفیت پیدا کردی ہے۔ وہ صرف یاد نہیں کررہے بلکہ یادوں کے چہرے کو تک رہے ہیں، دیکھ رہے ہیں، جس سے اُن کی یادیں بہت جامع اور واضح ہوگئی ہیں۔ یہ ایک شاعر کا پروازِ تخیل ہے جہاں شاید عام قاری کا ذہن نہ پہنچ سکے۔ یہ اُن کے تخلیقی ذہن کا زندہ ثبوت ہے۔

بشر بھائی کی غزلوں میں ناامیدی ، یاس، شکست، ناکامی، درد، رسوائی صاف جھلکتی ہے۔ اُن کے شعروں میں عشق و محبت، گل و بلبل اور روایتی شاعری کے موضوع بہت کم ملتے ہیں۔ اُن کا اندازِ فکر منفرد ہے۔ ملاحظہ کیجئے دو الگ الگ غزلوں میں بارش کی کیفیت جداگانہ ہے ۔

جھلستے دل کے آنگن میں ہوئی خوابوں کی پھر بارش
کہیں کونپل لہک اٹھی کہیں پتہ نکل آیا

☆

ویسے بھی تو ہونی تھی کسی درد کی بارش
بدلے ہوئے موسم پہ کچھ الزام نہیں ہے

پہلے شعر میں جھلستے دل پر خوابوں کی بارش سے سکون و راحت کا احساس نمایاں ہے جس کے نتیجے میں کونپلیں اور پتے اُگ آئے ہیں، گویا دل کی ٹھنڈک کا احساس ہوا ہے۔ یہاں لفظ ''خوابوں کی بارش'' ایک انوکھے اندازِ فکر کا نتیجہ ہے۔

جناب ظفر گورکھپوری نے اسی خیال کو یوں ظاہر کیا ہے ۔

میں بادل تھا مجھے تو دھجیاں ہونا تھا ویسے بھی
زمیں تجھ کو تو سبزے کا دوشالا دے دیا میں نے

دوسرے شعر میں درد کی بارش، ایک تکلیف دہ کیفیت ہے جو شاعر کو بدلتے ہوئے حالات نے عطا کی ہے جس کا اُسے کوئی گلہ نہیں ہے۔

بشر بھائی نے کئی ایسے چونکا دینے والے شعر کہے ہیں جن کو پڑھ کر قاری محو حیرت رہ جاتا ہے۔ اُن کی ایک غزل کا شعر (اس غزل کو میں نے ''دل'' کا عنوان دیا ہے حالانکہ غزل میں کوئی عنوان نہیں ہوتا) جس میں دل کی تکرار ہے۔ کہتے ہیں ۔

دل ہے اکیلا پھر بھی میلہ، اُس کے چاروں اور لگا ہے
خاموشی کا گیت ہے کوئی ، سناٹے کی صدا ہے دل

اور دو اشعار ملاحظہ کیجئے ۔

نیچے ہی نیچے کاٹ رہی تھی زمیں کو موج
اور لوگ سطح آب کو تکتے کھڑے رہے

☆

تمغے کی طرح سینے پہ رسوائی سجا لیں
کچھ اور تو سچائی کا انعام نہیں ہے

ان اشعار کو پڑھنے سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ ان کی پروازِ تخیل ، ان کا منفرد انداز فکر کتنا اچھوتا ہے۔

بشر بھائی ایک شریف النفس، سادگی پسند، ہمدرد، خوش مزاج، کم گو، بذلہ سنج، حاضر جواب، ذہین اور تخلیقی ذہن کے مالک تھے۔ انھیں نظم و نثر کا بہت گہرا مطالعہ تھا۔ اُن کی پرسنل لائبریری گویا اردو ادب کا ایک خزانہ ہے۔ بشر بھائی سے میری پہلی ملاقات ۱۹۶۸ء میں ہوئی جب میں ملند کالج آف سائنس اورنگ آباد کا بی ایس سی تیسرے سال کا طالب علم تھا اور اردو اسوسی ایشن کا سکریٹری بھی۔ میں نے انھیں کالج میں بیت بازی کے مقابلے میں بحیثیت جج مدعو کیا تھا۔ میں بڑے تذبذب میں اُن کے گھر پہنچا کہ پتہ نہیں وہ اس دعوت کو قبول کریں گے یا نہیں۔ لیکن بشر بھائی نے بڑی خندہ پیشانی سے ہمارا استقبال کیا اور دعوت قبول کرلی۔ مقابلہ بہت شاندار رہا، کم از کم ایک گھنٹے تک چلتا رہا۔ بشر بھائی بڑے محظوظ ہوئے اور حیرت کا اظہار کیا کہ سائنس کالج کے طلباء بھی اردو سے اتنی دلچسپی رکھتے ہیں۔ انھوں نے اسوسی ایشن کی بڑی پذیرائی کی۔ اُس وقت محترمہ مس نعیم الدین وہاں جز وقتی اردو کی لکچرر تھیں۔ بشر بھائی نے ہمیں بہت ہی

مفید مشوروں سے نوازا۔ اُس وقت بشر بھائی کی عمر صرف ۳۳ رسال اور میری عمر ۲۱ رسال تھی۔ اُس کے بعد ۱۹۷۶ء تک بشر بھائی سے کوئی رابطہ نہیں رہا لیکن ۱۹۷۶ء میں جب میں نے استاد پنڈت ناتھ راؤ نیرلکر سے کلاسیکل موسیقی سیکھنا شروع کی تو بشر بھائی بھی پنڈت جی کے پاس آتے جاتے نظر آنے لگے کیونکہ یہ اُن کے بہت قریبی دوست تھے۔ بس پھر کیا تھا، سُر اور غزل کا ملاپ شروع ہوا اور کئی غزلوں کے پروگرام ہوئے۔ پنڈت جی کی دختر ہیما اپاسنی اور فرزند جنیت نیرلکر نے بھی بشر بھائی سے اردو تعلیم اور غزل کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔

میری پہلی سی ڈی ''یاد تیری رات گئے آئی'' کا اجراء ۲۱ راگست ۲۰۰۴ء کو تاپڑیہ رنگ مندر میں بدست بشر نواز اور پنڈت ناتھ نیرلکر ہوا۔ اُس کے بعد میری دوسری سی ڈی ''غزل کا سفر دکن سے دلّی'' کا اجراء ۹ رجون ۲۰۱۲ء میں انہی کے ہاتھوں ہوا۔ جس میں اُن کی غزل ''وہ رُت بیتی بات گئی'' شامل ہے جو سب سے زیادہ مقبول ہوئی اور میری تیسری سی ڈی ''غزل کی واپسی دلّی سے دکن'' اور کتاب ''غزل گائن'' (ہندی) کا اجراء بھی انہی کے ہاتھوں ہونا طئے پایا تھا مگر افسوس! زندگی نے بشر بھائی کا ساتھ نہیں دیا۔ بشر بھائی کی صرف غزلیں ہی نہیں، میں نے اُن کے گیت، اُن کی نظمیں، کورس گیت بہت گائے۔ ریڈیو فیچر ''اب وطن آزاد'' کورس ''شکر خدا بس شکر خدا توفیق ہوئی یہ ہم کو عطا'' وغیرہ۔ بشر بھائی نے میری بڑی ہمت افزائی کی، جہاں بھی میرے غزل گائیکی کا پروگرام ہوتا وہ حاضر رہتے۔

۳ رجنوری ۲۰۱۵ء کو اردو کتاب میلہ میں میرے پروگرام 'شب غزل' اور ۱۵ رمارچ ۲۰۱۵ء کو پورن وادی سنگیت اکیڈمی میں میرے پروگرام 'صبح غزل' میں بھی آپ نے شرکت کی۔ وہ کلاسیکل موسیقی کے ہر پروگرام میں حاضر ہوتے اور رات دیر گئے، میں اُن کو اُن کے گھر اپنی بائیک پر چھوڑتا۔ ایک بات کا ذکر ضرور کروں گا کہ ہم نے بشر بھائی کی اُن کی زندگی میں اتنی پذیرائی نہیں کی جس کے وہ مستحق تھے۔ البتہ غیر مسلم حضرات نے انھیں بڑا بلند درجہ عطا کیا اور ہر بڑے پروگرام میں بشر بھائی کو مدعو کیا۔ میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت کرے اور اُن کے عزیز و اقارب کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین

☆☆☆

تعارف

تفسیر پربھنوی (مرحوم)

نام: سید عبدالمتکبر۔ تخلص: تفسیرؔ

پیدائش ۱۶ رجولائی ۱۹۵۴ء

والد کا نام : سید عبدالقدوس

مقام پیدائش : ضلع پربھنی

صلاح کار و اصلاح کار : بڑے بھائی عبدالمقیت کوثرؔ

تعلیمی لیاقت : B.A

ایوارڈز منجانب : جے ہند سیوا بھاوی اکیڈمی مہاراشٹر، ''فخر مہاراشٹر'' ۲۰۱۵ء (اُردو شاعری کے لیے) ۲۷ رجنوری ۲۰۰۹ء جناب اشوک سونی ایڈوکیٹ کے ہاتھوں ''پربھاوتی ایوارڈ'' اور قومی یکجہتی ایوارڈ ۲۰۰۴ء کو حاصل ہوا۔

غزل

دیکھتے ہی دیکھتے انساں ستمگر بن گیا
آستیں کا سانپ اور اک تیز خنجر بن گیا

مرتبہ تہذیب کا لکھنے سے کوئی فائدہ؟
کوچہ کوچہ شہر کا صحرائے بنجر بن گیا

میرے آنسو کی حقیقت پوچھنے والے نہ پوچھ
ایک چشمہ جوش میں آکر سمندر بن گیا

تھا صدف میں جب تو کوئی پوچھنے والا نہ تھا
جب ہوا ظاہر تو اک نایاب گوہر بن گیا

وقت سے ناآشنا تھا تو ذلیل و خوار تھا
آئینہ جب وقت کا دیکھا سکندر بن گیا

کل جسے فٹ پاتھ پر بھی آسرا ملتا نہ تھا
آج وہ انسان قوموں کا مقدر بن گیا

شعر و نغمہ اور کہانی لکھتے لکھتے آجکل
حضرتِ تفسیرؔ کا گھر ایک دفتر بن گیا

تعارف

قلمی نام : رئیس الزماںؔ صدیقی

مکمل نام : محمد احسان الدین صدیقی

ولدیت : محمد نظام الدین صدیقی

تخلص : رئیس الزماں

تاریخ پیدائش : ۷ رجون ۱۹۶۶ء

جائے پیدائش : پربھنی

تعلیمی لیاقت: B . A (یشونت راؤ چوہان یونیورسٹی ناسک) M.A (مولانا آزاد یونیورسٹی حیدرآباد)

سند یافتہ نائب قاضی و خطیب و امام۔

زیر ترتیب : شعری مجموعہ ''سنگلاخ زمین''

اعزاز : عکس ادب (اردو) اورنگ آباد کی جانب سے صغیر کوثرؔ ایوارڈ

موبائل :7276999910

غزل

خوشبو ہے اگر پھول نگر کیوں نہیں جاتا
آوارہ سا پھرتا ہے یہ گھر کیوں نہیں جاتا

اُمید کا چھوٹا سا وہ معصوم پرندہ
یادوں کی منڈیری پہ اُتر کیوں نہیں جاتا

شیشہ ہے اگر تو تو کسی عکس میں ڈھل جا
سونا ہے تو تپ تپ کے نکھر کیوں نہیں جاتا

ان آگ کے شعلوں سے بھی شبنم ذرا نچوڑ
مشکل اگر ہے کام یہ کر کیوں نہیں جاتا

مجھ کو میرا شعور بھی ڈسنے لگا ہے اب
کمبخت پہ ہوتا ہے اثر کیوں نہیں جاتا

میں وقت کے تاریک بیاباں میں کھڑا ہوں
جگنو کوئی آنکھوں سے گذر کیوں نہیں جاتا

اس صبر و تحمل کی بھی آخر کوئی حد ہے
انسان بغاوت پہ اتر کیوں نہیں جاتا

تصویری جھلکیاں

اورنگ آباد آکاشوانی اسٹوڈیو میں ڈاکٹر دوست محمد خان اپنا فن پیش کرتے ہوئے۔

ڈاکٹر دوست محمد خان، کویتا وطنی، ڈاکٹر شکیب محمد خان، احمد نگر میں جناب ڈاکٹر ایس این خان سابقہ پروفیسر کے یوم پیدائش پر غزل کا پروگرام پیش کرتے ہوئے۔

پرنسپل ڈاکٹر دوست محمد خان اور مرہٹواڑہ کالج آف ایجوکیشن کے تمام اساتذہ۔(۲۰۰۲ء)

رجت شرما کی کالج کیمپس میں آمد کے موقع پر ڈاکٹر دوست محمد خان اور دیگر پرنسپلس ان کا استقبال کرتے ہوئے۔

باب العلم کے افتتاح کے موقع پر پدم شری فاطمہ زکریا، سکریٹری ہاوزوالا، مختلف اداروں کے پرنسپلس کے ہمراہ پرنسپل ڈاکٹر دوست محمد خان۔

نیشنل کونسل آف ٹیچر ایجوکیشن بھوپال کی جانب سے شری کرشنا کالج آف ایجوکیشن کے معائنہ کے موقع پر ڈاکٹر دوست محمد خان اور ان کی ٹیم کے دیگر ممبران۔

ڈاکٹر دوست محمد خان اور NAAC ٹیم کے دیگر ممبران کا ایجوکیشنل اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کشتواڑ (شری نگر) کی جانب سے استقبال۔

ڈاکٹر دوست محمد خان 'عکس ادب' کے اجراء کے موقع پر۔ ڈاکٹر عظیم راہی و دیگر معزز حضرات کے ساتھ۔(عالم گیر ہال، بیت الیتیم، اورنگ آباد۔۲۰۲۴ء)

محبت کی زبان — غوثیہ سلطانہ نوری

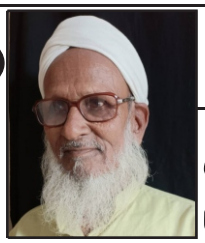

ندیم مرزا (بیڑ)
موبائل : 7744014147

عام طور پر یہ بات کہی اور سنی جاتی ہے کہ جیسا دیس ویسا بھیس مگر یہ بات ان پر صادق آتی ہے جو اپنی ذات کے حصار تک محدود رہتے ہیں۔جن کی سوچ وفکر اعلیٰ ہوتی ہے ان کی منزلیں بھی آسمانوں میں نظر آتی ہیں، ان کی زندگی کا ایک نصب العین ہوتا ہے، ''چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لے کے چلو'' کے مطابق ہی ان کی ہر حرکت وجنبش ہوتی ہے۔جیسا دیس ویسا بھیس کی تمام جزویات کو باطل ثابت کرنے کے لیے اپنے وطن سے ہجرت کر کے دیار غیر کی طرف جو وجود عازم سفر ہوتا ہے تو وہ بطور زاد سفر اپنی تہذیب اور زبان ساتھ لے کر نکلتا ہے اور دیار غیر کے اجنبی ماحول میں وہ اپنی تہذیب کا سفیر بن جاتا ہے۔اجنبی ماحول میں، اجنبی تقاضوں کے احترام کے ساتھ اپنی تہذیب و بقا کی احتیاط کسی جہاد سے کم نہیں سیدہ غوثیہ سلطانہ نوری صاحبہ بھی کسی مجاہدہ سے کم نہیں۔ وہ اپنے وطن میں اطمینان کی زندگی بسر کر رہی تھیں، تعلیمی میدان میں اعلیٰ اسٹیٹس کی حامل تھیں، ریڈیو اسٹیشن سے وابستگی نے انھیں ایک باوقار رتبہ ومرتبہ عطا کیا تھا، وہ میدان علم و ادب کی میر کارواں تھیں۔غوثیہ سلطانہ نوری نے عزووقار کی زندگی اور حالات میں اپنے شوہر کے ساتھ اپنا مائکہ اور اپنے وطن سے دیار غیر کی طرف ہجرت کی، انھیں اپنے ملک کی سرحدوں کو الوداع کہتے وقت یقیناً دل میں خیال آیا ہوگا کہ اپنی تہذیب اور زبان کو سرحدوں کی لکیروں میں چھوڑ کر جا رہی ہوں جن سے میرا رشتہ روح کی گہرائی تک مضبوط ہے مگر ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہوتا ہے، سیدہ غوثیہ سلطانہ نوری صاحبہ اپنی تہذیب اور زبان و ادب سے اپنا دامن نہیں چھڑا سکیں، انھوں نے اپنے وطن میں جو جو ادبی و سماجی خدمات انجام دی تھیں اس سے ہزار ہا درجہ بلند خدمات کے لئے قدرت ان کا انتخاب کر چکی تھی۔خدا کا فضل و کرم ہے کہ حیدرآباد (انڈیا) کی سیدہ غوثیہ سلطانہ نوری صاحبہ (حال مقیم شکاگو، امریکہ) کی شخصیت، خدمات علم وادب اور فن پر تحقیق کے لئے سیالکوٹ (پاکستان) سے صفیہ بوٹا صاحبہ کا قلم حرکت میں آیا اور جوہر شناس نظروں نے سیدہ غوثیہ سلطانہ نوری صاحبہ کو منتخب کیا۔اس انتخاب میں ڈاکٹر یاسمین کوثر صاحبہ، اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اردو یونیورسٹی آف سیال کوٹ کی دور اندیشی و استادانہ شفقتیں بھی شامل حال رہیں۔ان کی مشفق سرپرستی اور صفیہ بوٹا کے اثر دار قلم نے اتنی دوری کے باوجود سیدہ غوثیہ سلطانہ نوری کی برسوں کی کاوشوں کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کر کے عدیم المثال نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔

حق بہ حق دار رسید

اسی کے ساتھ صفیہ بوٹا کی مخفی صلاحیتیں آشکار ہوئیں۔ سیدہ غوثیہ سلطانہ نوری صاحبہ نے علم وادب اور سماجی خدمات کے میدان میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے اس کے لئے وہ تحقیق کی حق دار ہیں۔اپنی نثری تحریر اور سماجی خدمات کے لئے وہ امریکہ جیسے ملک میں اپنی شناخت بنا چکی ہیں۔اب وہ امریکی معاشرے کا حصہ بن چکی ہیں ان کی شہرت شکاگو تک محدود نہیں ادبی خدمات کے حوالے سے پوری امریکی ادبی دنیا انہیں اچھی طرح جانتی ہے۔ان کی تحریر میں اپنی تہذیب سے وابستگی دکھائی دیتی ہے وہ آج بھی اپنے وطن کی مٹی کی سوندھی خوشبو محسوس کرتی ہیں۔کیا

عجیب کیفیت ہوتی ہوگی ماضی سے وابستہ لمحات کی جب یاد آتی ہوگی، اس درد کو وہی جانے جو اس کرب کو جھیل رہا ہے۔اردو کلاسیکی شاعری کے ساتھ ان کی شاعری میں جدید انداز اسلوب اور نئی تمثیل کے معنی خیز استعارے بکثرت ملتے ہیں۔شاعری کے متعدد اصناف سخن میں انہوں نے بڑی محنت کی ہے اور نئی اصناف کو بھی متعارف کرایا ہے۔

صفیہ بوٹا صاحبہ کا تحریر کردہ مقالہ غوثیہ سلطانہ نوری کی شاعری کا تحقیقی مطالعہ" جس میں شعری مجموعہ رقص دوراں، مجموعۂ حمد ونعت, آئینۂ جمال" پر بہترین تبصرہ لکھا گیا ہے۔شعر کہنا اتنا مشکل نہیں جتنا شعر فہمی مشکل ہے۔شاعر کی سوچ کیا ہے، کس بات پر اس کی توجہ مرکوز ہے، استعارہ وتمثیل کس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔اس کو جاننا سمجھنا انتہائی مشکل عمل ہے۔اقبالؔ کا شعر ہے ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

خودی، بلند اور تقدیر کی شمولیت نے مصرعہ کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اور مصرعہ ثانی کی عظمت وتقدیس کو دیکھئے خدا، بندہ اور رضا کے ذریعہ تاریخ اسلام کا اور تسلیم و رضا کا کچھ کہے بغیر پورا واقعہ یاد دلا دیا۔اسی طرح اقبالؔ کا دوسرا شعر ہے ؎

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

کہتے ہیں کہ کائنات اٹھارہ ہزار عوالم پر محیط ہے مگر اقبالؔ نے لوح وقلم کے حوالے جہاں کی بے وقعتی اور اس کے محبوب سے محبت کی قدر و قیمت بتادی ؎

ہزار چشم تری سنگ راہ سے پھوٹیں
خودی میں ڈوب کے ضرب کلیم پیدا کر

ایسے کئی اشعار ان کی شاعری میں ملیں گے جو پڑھنے والے کے فہم و ادراک کے گوشوں کو متحرک کرتے ہیں۔ زیرنظر مقالہ میں صفیہ صاحبہ نے سوانح حیات، عظمت نسبت سے لے کر ان کی ادبی خدمات کا تحقیقی جائزہ لیتے ہوئے ان کی شاعری پر تحقیقی نظر ڈالی، ان کی یہ کوشش کامیاب بھی ہے۔ صفیہ بوٹہ صاحبہ کی تحقیق پر ڈاکٹر یاسمین کوثر صاحبہ کے اخلاص و محبت کی گہری چھاپ دکھائی دیتی ہے، صفیہ بوٹا صاحبہ نے بھی انہیں مایوس نہیں کیا وہ ان کے معیار پر کھری اتری ہیں۔ جوہری پتھر کو یونہی نہیں تراشتا، اس کی جوہر شناس نظر اندر چھپی خوبیوں کو تلاش کر کے اس کو تراش کر پتھر سے قیمتی گوہر بنا دیتی ہے اس کام کے لئے دونوں مبارکباد کی مستحق ہیں۔

سوانح حیات میں تحریر کا انداز مختلف ہوتا ہے۔ اس کے اصول ہوتے ہیں جس کی سوانح لکھی جارہی ہے اس کی ولادت سے وفات تک حالات زندگی کو رقم کرنا، تمام جزیات کی حقیقتوں پر باریک بینی سے نظر رکھنا، مبالغہ سے ہٹ کر جوں کا توں رقم کرنا، ماضی سے اس کا کیا رشتہ ہے، کس کس سے نسبت ہے، خاندانی شجرہ کیا ہے وغیرہ وغیرہ جیسے عنوانات سے متعلق مواد کا حصول مشکل تو نہیں مگر آسان بھی نہیں۔ کسی حیات انسان کی سوانح لکھنی ہو تو سوانح نگار اس کی زندگی کا حصہ بن جاتا ہے، اس کے شب و روز کے معمولات اور اس کے کردار کا حصہ بن کر مشاہدہ کر کے وہ گذرتا ہے، اسے رقم کرتا ہے۔ برخلاف اس کے تحقیق بڑا پیچیدہ عمل ہے، خصوصاً تحریری خدمات میں! اس کی سوچ اور بصیرت کیا ہے؟ کیا لکھا ہے؟ مقصود و مطلوب کیا ہے؟ لغوی اور مرادی معنی کیا ہیں؟ اس کے لئے گہرے مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ مرزا غالب کو دیکھ لیں ان کی زندگی میں غالب شناسی پر اتنا کام نہیں ہوا جتنا گذرنے کے بعد ہوا، بعد میں ان کی شاعری اور ان کے خطوط پر جب تحقیقی کام ہوا تو غالبؔ کے قد و قامت کا اندازہ ہوا، علامہ اقبالؔ کا اقبالؔ ان کی زندگی ہی میں بلند ہوا، ان کے پیش کردہ استعارہ ''شاہین'' سے کون واقف نہیں عام قاری تو بس یہی جانتا ہے کہ شاہین ایک پرندہ ہے، جس کے پاس رب تعالیٰ کی عطا کردہ بصیرت ہوتی ہے وہی سمجھ سکتا ہے، اس کی جو مخصوص صفات ہوتی ہیں ان ہی کے پس پردہ اقبالؔ کس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، ان کے ہم عصر شعراء نے بھی اس استعارے کو استعمال کیا مگر اقبالؔ تو اقبالؔ تھے ان کے پیش کردہ شاہین کو مقبولیت مل گئی، قوم سے خطاب میں وہ کس شاہین سے مخاطب ہیں۔

نہیں تیرا نشیمن گنبد قصر سلطانی پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

ایک اور شعر ہے۔

پلٹنا ، جھپٹنا ، جھپٹ کر پلٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

غوثیہ سلطانہ نوری کا کلام ابھی ایسے بے شمار استعاروں سے معمور میرے سامنے صفیہ بوٹا صاحبہ کے تحریر کردہ مقالہ میں ہے کہنے کو تو ایم فل کی ڈگری کے حصول کے لئے ایک کاوش ہے مگر اس کاوش کے اندر صفیہ بوٹا صاحبہ کی مخفی صلاحیتوں کا اظہار ہے ان کی یہ تحریر سیدہ غوثیہ سلطانہ نوری صاحبہ کی شاعری، ان کے خیال کی بلند پروازیوں کا گہرا مطالعہ کر کے بہترین و معیاری شرح تحریر کرنے کا ناقابل فراموش کارنامہ ہے مقالے کے عنوانات ترجمانی کرتے ہیں کہ یہ کسی ماہر فن استاد کی مخلصانہ سرپرستی و رہنمائی کا ظہور ہے۔ صفیہ بوٹا صاحبہ کو شکر گذار ہونا چاہئے کہ انھیں مشفق و مہربان راہبر ملی ہیں۔ غوثیہ سلطانہ نوری کی شخصیت، ہجرت کے اثرات، غوثیہ سلطانہ بطور بیوی، غزل کا فکری و فنی جائزہ، نعت کا فکری جائزہ، جیسے اور دیگر کئی عنوانات کا انتخاب کر کے صفیہ بوٹا صاحبہ نے ان کی شاعری اور نثری خدمات کا احاطہ کر کے ان کی زندگی کے ہر پہلو کو پیش کیا ہے۔ ان کے چیدہ چیدہ اشعار پر سحر بیانی کے ذریعہ شعر کی قدر و منزلت میں اضافہ کر دیا۔

سبھی ملکوں کی شان رکھتے ہیں
ایک تہذیب لے کے آئے ہیں
اس کی ہی آن بان ہیں ہم لوگ
صبح نو کی اذان ہیں ہم لوگ

صفیہ بوٹا صاحبہ لکھتی ہیں :

مذکورہ الفاظ میں غوثیہ سلطانہ کہتی ہیں کہ، میں اپنی دھرتی سے دور ہوں لیکن ملک کی تہذیب، ثقافت اور تمدن کو نہیں چھوڑا بلکہ دیار غیر میں بھی برقرار رکھا ہے۔ مجھے اپنی تہذیب پر ناز ہے۔

بول میٹھے ہوں تو بن جاتی ہے دنیا میٹھی
حسن اخلاق سے رشتوں کا نگر بنتا ہے
بوندیں کتنی ہی برس جائیں گھٹا سے نوری
صرف اک قطرۂ نیساں ہی گہر بنتا ہے

صفیہ بوٹا صاحبہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کرتی ہیں :

''غوثیہ سلطانہ کی شاعری ادب و اخلاق اور انسانی خصائص کے خوبصورت پھولوں کا گلدستہ معلوم ہوتی ہے۔ اخلاقِ انسان شخصیت کا زیور ہے اور یہی زیور غوثیہ سلطانہ کی شاعری کا وصف ہے، ان کی شاعری اخلاق و محبت کے پیام سے بھری پڑی ہے غوثیہ سلطانہ کی شاعری اخلاق کا بیان اور محبت کی زبان ہو جاتی ہے۔''

مضمون کی طوالت میں احتیاط کو پیش نظر رکھتے ہوئے غوثیہ سلطانہ نوری صاحبہ کے ان اشعار پر مضمون مکمل کرتا ہوں۔

نام بدنام موت کا کیوں ہے
زندگی بھی عذاب دیتی ہے
نت نئے آئینے دکھاتی ہے
دور اپنوں سے لے کے جاتی ہے
المیہ ہوتا ہے یہ ہجرت کا
سرحدیں بھی ہمیں رلاتی ہے

بہرحال صفیہ بوٹا صاحبہ نے دریا کو کوزہ میں بند کرنے کی کرامت دکھائی ہے خدا کرے اس کام کو مقبولیت عام حاصل ہو۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ☆☆☆

غزلیں

شاعری

سیفی سرونجی
(سرونج۔مدھیہ پردیش)
موبائل: 9425641777

جیب خالی نہ ہو ہمت ہو خریداروں میں
پھر تو سب کچھ انھیں مل جائے گا بازاروں میں
کھو گئی جانے کہاں رونقِ ایماں کی رمق
اب نہیں زور نہ تیروں میں نہ تلواروں میں
جی حضوری ہی مقدر میں لکھی ہے سب کے
کوئی خوددار نہیں شہر کے فنکاروں میں
اب سیاست سے مجھے آ گیا جینا دیکھو
روز آتا ہے مرا نام بھی اخباروں میں
قتل کس کا ہوا گھر کس کا جلا ہے سیفیؔ
ڈھونڈتا رہتا ہوں میں شہر کے اخباروں میں

بشارت علی خان اختر جالنوی
(حیدرآباد)
موبائل: 8919499980

لفظوں کے موتی شعر میں خوبی سے جڑ گیا
لہجہ بھی خوب تھا، حسیں لہجے سے لڑ گیا
حرف و بیان وصوت کے لہجے بدل گئے
شیریں زبان و پیار کا مکتب اجڑ گیا
فصل بہار آئی ، عیادت کو آئے وہ
''دل کے ہر ایک زخم کا ٹانکا ادھڑ گیا''
کب تک اکیلا کرتا ہواؤں کا سامنا
اس پیڑ کا وہ آخری پتہ بھی جھڑ گیا
بچپن میں ساتھ کھیلا ، جو آواز دی اسے
دیکھا تو مجھ کو اور بھی ظالم اکڑ گیا
نفرت کی آندھیوں کو نہ برداشت کر سکا
الفت کا پیڑ زد پہ تھا جڑ سے اکھڑ گیا
اخترؔ نے چاہا کنبے میں رہنا نہ رہ سکا
پروردگار کی تھی مشیت بچھڑ گیا

طاہر حسین طاہر (ناندیڑ)
موبائل: 8087570387

نقش میرا مٹ نہ پایا دیر تک
وقت نے بھی آزمایا دیر تک
زور آندھی نے دکھایا دیر تک
اک دیا پر جگمگایا دیر تک
آج پھر ہر زخمِ دل تازہ ہوا
آج پھر وہ یاد آیا دیر تک
محو حیرت غم مجھے تکتا رہا
میں جو غم میں مسکرایا دیر تک
اُس جگہ پاسِ محبت بھی نہ تھا
میں جہاں پر رک نہ پایا دیر تک
ہائے رے بے حس جہاں ہنستا رہا
حالِ دل ہم نے سنایا دیر تک
سب غلط دعوے ہیں طاہرؔ وقت کے
ساتھ کب کس کا نبھایا دیر تک

طٰہ صدیقی (پربھنی)
موبائل: 9420889011

تمہاری تربیت کے ہم اجالوں میں یوں پلتے ہیں
دکھائی تم نے جو راہیں انہی راہوں پہ چلتے ہیں
اڑانوں پر ہماری کیا کوئی پہرا لگائے گا
بلندی دیکھتے ہی ہم جو اڑنے کو مچلتے ہیں
محبت ہم نے کی تجھ سے لٹائی تجھ پہ جاں پھر بھی
بتا کیوں ہم ہی اے جاناں تری آنکھوں میں کھلتے ہیں
قرینہ دھیرے دھیرے آتا ہے اے یار جینے کا
نئے ماحول میں ہم سب ہی ڈھلتے ڈھلتے ڈھلتے ہیں
جلائے جو کبھی تم نے ہمارے واسطے 'طٰہ'
ابھی تک وہ دیے ہمدم ہماری رہ میں جلتے ہیں

ڈاکٹر نصرتؔ حنفی
موبائل: 9028339781

کچھ لوگ آستین سے آگے نہیں گئے
وہ سانپ تھے جو بین سے آگے نہیں گئے
جو ڈالتے تھے چاند پہ الفاظ کی کمند
وہ بھی تو میگزین سے آگے نہیں گئے
تھا آسمان کتنا ہماری گرفت میں
ہم پھر بھی اس زمین سے آگے نہیں گئے
منسوب ہوگئے وہ ہمارے کلام سے
ہم بھی تو مہ جبین سے آگے نہیں گئے
اب اور کیا ثبوت محبت کا دیں بھلا
ہم اپنے وارثین سے آگے نہیں گئے
دنیا تو چاند تاروں سے آگے نکل گئی
وہی جو تھے وہ چین سے آگے نہیں گئے
نصرتؔ نکل گئے ہیں کچھ آگے گمان سے
پر شیخ جی یقین سے آگے نہیں گئے

نظمیں

فرض

ڈاکٹر سنجیدہ خانم شاہین
جودھپور (راجستھان)
موبائل : 9464329176

خوب نبھائی میں نے اپنی زمینداری
تب جا کر خوش رنگ ہوئی گھر کی پھلواری
من منڈیر میں اس دن گونجے ڈھول نگاڑے
جس دن میرے آنگن میں گونجی کل کاری
ایک تمنّا کب سے بیٹھی ہے چھت پر
گھر کا گھر ہو باہر اونچی چار دیواری
نر بلشالی نر سمہا سی نر کی طاقت
پر نر سے کمزور نہیں ہے کوئی ناری
شام حسیں ہے موسم نے انگڑائی لی
وہ نہ آیا میں نے کی پوری تیاری
تم تو ٹھہرے کیوں اپنے من کے میت
تم کیا جانو کیا ہوتی ہے دنیاداری
جو میرے اُلجھے مانجھے کو سلجھا دے
اس پرواروں میں اپنی یہ ہستی ساری
اس پر کیوں شاہینؔ بھروسہ تم کر بیٹھی
جس کی رگ رگ میں تھی بھری بس غدّاری

☆☆☆

صفت یار

فیروز سروش (پربھنی)
موبائل : 9423443502

جو عزیز ہو تو رگ جاں کی طرح ہو
وہ رمیز ہو تو قدرداں کی طرح ہو
جو ہم سفر ہو تو قمر کی طرح ہو
وہ ہم عصر ہو تو بصر کی طرح ہو
جو صفت خضر ہو تو نصر کی طرح ہو
وہ صفت صبر ہو تو خضر کی طرح ہو
جو عزیز ہو تو رگ جاں کی طرح ہو
جو ہم ساز ہو تو ہم راز کی طرح ہو
وہ دم ساز ہو تو شہباز کی طرح ہو
جو دل گداز ہو تو سرفراز کی طرح ہو
وہ بے نیاز ہو تو دل نواز کی طرح ہو
جو عزیز ہو تو رگِ جاں کی طرح ہو
جو اجلاس ہو تو اقبال کی طرح ہو
وہ افغال ہو تو ابدال کی طرح ہو
جو خصال ہو تو دیال کی طرح ہو
وہ مقال ہو تو نہال کی طرح ہو
جو عزیز ہو تو رگِ جاں کی طرح ہو
جو نقیب ہو تو منیب کی طرح ہو
وہ حبیب ہو تو خبیب کی طرح ہو
جو رفیق ہو تو شفیق کی طرح ہو
وہ انیق ہو تو خلیق کی طرح ہو
جو عزیز ہو تو رگِ جاں کی طرح ہو
وہ رمیز ہو تو قدرداں کی طرح ہو

دل کی پکار

ف۔خ۔مسرت (ناندیڑ)
موبائل : 7774905558

کہا تم نے جو کہنا تھا
سنا ہم نے جو سننا تھا
اسی کہنے میں سننے میں
ہم اکثر بھول جاتے ہیں
جڑے دل سے جو رشتے یہ
اسی سے ٹوٹ جاتے ہیں
بہت یہ درد دیتے ہیں
سنو___!! اب تم کو سننا ہے
گلوں سے خار چننا ہے
سنو تم پاس ہو میرے
بہت ہی خاص ہو میرے
مری اتنی سی خواہش ہے
کرو تم گفتگو جب بھی
ذرا لہجہ نرم رکھنا
محبت کا بھرم رکھنا
تمہارے سخت لہجے سے
غلط لفظوں سے جملوں سے
میرا دل ٹوٹ جاتا ہے
ہمیں جب ساتھ رہنا ہے
اگر دن رات رہنا ہے___!!
دلوں کے ٹوٹ جانے سے
محبت روٹھ جائے تو
بتاؤ ہم جئیں کیسے؟؟

....زندگی....

آش حمد (پٹنہ۔بہار)
7992471987

دنیا میں انمول ہے اپنے جیون کا یہ اک اک پل
بیتا جو تھا مشکل اپنا کل
کیوں روتے ہیں ہم اِن عارضی دکھوں سے
جانتے ہیں دن بیتیں گے آئے گا نیا اک کل

ڈھونڈتے پھرتے ہیں ہم کیوں اوروں کے عیب
جس دن خود میں جھانکیں گے ہم ہوں گے صفل
دُھوپ کبھی ہے چھاؤں کبھی کبھی خوشی ہے کبھی ہے غم
ہم کو ملے گر موقع بنالیں ہم بھی پھر خوابوں کے محل

تعارف و تبصرے

کتاب: ترسیل عکس (مشاہیر ادب سے ادبی انٹرویوز)

مرتب : اظہر نیر (993979452)

اشاعت : ۲۰۲۴ء قیمت : ۳۰۰/روپے

مبصر : ڈاکٹر یوسف صابر (9326772575)

دلکش اور مضبوط بائنڈنگ کی ۲۲۴/ ہلکے براؤن کلر کے دبیز کاغذ پر مبنی ''ترسیل عکس'' مشاہیر ادب سے لئے گئے انٹرویوز کا خوبصورت مجموعہ ہے۔ اس مجموعے کو اظہر نیر نے ان تمام ادباء و شعراء کے نام کیا ہے جنھوں نے انھیں انٹرویوز دیئے ہیں۔ کتاب کے پیش لفظ میں اظہر نیر نے ایک جگہ تحریر کیا ہے :

''یہ ادبی انٹرویو ملک کے مختلف ادبی رسائل اور ہفتہ وار اخبار کے ادبی صفحوں پر شائع ہوئے۔ سب سے زیادہ انٹرویو ہفتہ وار ''پندار'' (پٹنہ) میں شائع ہوئے۔ کئی انٹرویو ملک کے رسائل جیسے ماہنامہ ''شاعر'' ممبئی، ماہنامہ ''سہیل'' گیا، سہ ماہی ''توازن'' مالیگاؤں، ماہنامہ ''کتاب نما'' دہلی، ماہنامہ 'رنگ و بو' حیدرآباد، سہ ماہی ''چشمہ اردو'' رائے پور میں شائع ہوئے۔ یہ انٹرویو کافی مقبول ہوئے اور ادبی حلقے میں ان کی پذیرائی ہوئی۔''

یہ انٹرویوز اظہر نیر کی برسوں کی محنت کا ثمرہ ہے جواب ایک مجموعہ کی شکل میں یکجا ہوا۔ اظہر نیر خود ایک جانے مانے شاعر و ادیب ہیں۔ انھوں نے اردو ادب کی مختلف اصناف سخن کا احاطہ کرتے ہوئے اور دیگر ادبی خدمات انجام دیتے ہوئے جتنا کام کیا وہ قابل ستائش ہے۔ اس کتاب کے آخر میں دیئے گئے ''کوائف اظہر نیر'' کو پڑھنے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ وہ مشاہیر ادب جن کا انٹرویو اس کتاب میں شامل ہے ان کے نام اس طرح ہیں: (۱) ڈاکٹر عنوان چشتی، دہلی (۲) ساگر سرحدی، ممبئی (۳) رام پرکاش کپور (۴) شام بارک پوری (۵) ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی (۶) حسن امام درد (۷) پروفیسر اویس احمد دوراں (۸) بلراج کومل ، دہلی (۹) رتن سنگھ (۱۰) ڈاکٹر کرامت علی کرامت (۱۱) ظہیر غازی پوری (۱۲) ناوک حمزہ پوری (۱۳) سلیم انصاری (۱۴) ظفر ہاشمی (۱۵) علقمہ شبلی (۱۶) منیر سیفی ، پٹنہ (۱۷) عالم خورشید (۱۸) تاج پیامی (۱۹) شاہد کلیم (۲۰) اختر نظمی (۲۱) رؤف خیر (۲۲) شکیل گوالیاری (۲۳) ڈاکٹر عزیز اندوری (۲۴) سلیم احمد زخمی بالودوی۔

اس کتاب کے انٹرویوز میں مختصر و اہم جوابات کے ساتھ ساتھ ایسے کئی طویل جوابات ہیں جو اردو ادب کی نہایت اہم معلومات فراہم کرتے ہیں۔ یہ کتاب محکمہ راج بھاشا اردو ڈائریکٹوریٹ حکومت بہار کے مالی تعاون سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کو نوری اردو مرکز لائبریری، برہولیا، کنی سمری، دربھنگہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆

کتاب : غوثیہ سلطانہ نوری

حیات اور سماجی و ادبی فتوحات

مصنف : ڈاکٹر نذیر فتح پوری۔ 9822516338

اشاعت : ۲۰۲۴ء قیمت : ۱۵۰/روپے

پبلشر : عذرا بک ٹریڈرس، نئی دہلی

مبصر : ڈاکٹر یوسف صابر

۱۵۶/صفحات پر مشتمل دلکش کور پیج سے سجی یہ کتاب غوثیہ سلطانہ نوری کی حیات اور سماجی و ادبی خدمات کا مختصراً احاطہ کرتی ہے۔ اردو زبان و ادب کا دائرہ اتنا وسیع ہو گیا ہے کہ اس نے دنیا کے کئی ممالک کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے۔ متعدد اردو قلمکار دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، ان ہی میں ایک نام غوثیہ سلطانہ نوری کا ہے۔ غوثیہ سلطانہ نوری کی پیدائش اور پرورش حیدرآباد (ہندوستان) میں ہوئی۔ موصوفہ کی زندگی کا سفر (اورنگ آباد) دکن سے شروع ہو کر علی گڈھ، حیدرآباد ہوتے ہوئے امریکہ پہنچا۔ نوری نے برکلے یونیورسٹی (کیلی فورنیا) میں اردو پڑھایا اور یہ آج بھی امریکہ کے شہر شکاگو میں قیام پذیر ہیں اور اردو زبان و ادب کی خدمات انجام دے رہی ہیں۔ ڈاکٹر نذیر فتح پوری نے نوری کی ادبی و سماجی خدمات کو فتوحات سے تعبیر کیا ہے اسی لئے اس کتاب کا نام غوثیہ سلطانہ نوری (حیات اور سماجی و ادبی فتوحات) رکھا ہے۔ اس کتاب کے مضامین کی فہرست اس طرح ہے : کچھ باتیں کچھ یادیں، گفت باہمی، غوثیہ سلطانہ نوری کے نام توشیحی نظم، غوثیہ سلطانہ نوری کی برقی تحریریں (۱ تا ۴)، غوثیہ سلطانہ نوری رب کے حضور، غوثیہ سلطانہ نوری کا کلام ایک تاثر، غوثیہ سلطانہ نوری کی نعت شناسی ایک جائزہ، غوثیہ سلطانہ نوری کی شخصی نظموں کا پس منظر، غوثیہ سلطانہ نوری کے غزل آئینوں کا عکس، غوثیہ سلطانہ نوری کی تین غزلیں، غوثیہ سلطانہ نوری کی دو غزلیں دو زمانے، غوثیہ سلطانہ نوری کی غزلوں کے دوسرے اشعار ایک جائزہ، غوثیہ سلطانہ نوری اور گوشۂ اسباق، غوثیہ سلطانہ نوری کی ادبی تحریریں ایک مطالعہ، غوثیہ سلطانہ نوری کی شخصیت نواز تحریریں ایک جائزہ، غوثیہ سلطانہ نوری شمالی امریکہ کے حوالے سے ایک جائزہ، غوثیہ سلطانہ نوری اپنے ریپورتاژ کے آئینے میں، غوثیہ سلطانہ نوری امریکہ میں ہندوستانی تہذیب کی علمبردار، غوثیہ سلطانہ نوری کچھ باتیں گیت اور سنگیت

کے حوالے سے، غوثیہ سلطانہ نوری کے نام چند خطوط، نذیر کا اجمالی تعارف ، نذیر کی تصانیف، نذیر کے فکر وفن پر مرتب کردہ کتابیں، یادوں کے جھروکے (تصاویر)۔اس کتاب کے تمام مضامین ڈاکٹر نذیر فتح پوری نے نہایت مختصر وجامع تحریر کئے ہیں۔امید ہے کہ ادب کی دنیا میں اس کتاب کو اس کا جائز مقام حاصل ہوگا۔اس کتاب کو اس پتہ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

Nazeer Fatehpuri (Editor Asbaque), Saira Manzil, 203/B/102, Viman Darshan, Sanjay Park, Lohgaon road, Pune-411032 (MS) Mob.9822516338

☆☆☆

کتاب : اقبال: بحرِ بیکراں

مصنف : ڈاکٹر معصوم شرقی۔ 9903284809

اشاعت : مئی ۲۰۲۴ء قیمت : ۴۰۰/روپے

مطبع : روشان پرنٹرس، دہلی۔۶

تبصرہ نگار : ڈاکٹر یوسف صابر (9326772575)

ڈاکٹر معصوم شرقی کی مطبوعہ تصانیف میں (۱) عکس تاب (غزلیں) ۲۰۰۹ء (۲) نظیر ثانی اشک امرتسری: تعارف ، تنقید اور تدوین کلام (تحقیق) ۲۰۱۲ء (۳) ادب جہان (تنقید ، تجزیہ اور تفہیم) ۲۰۱۵ء (۴) ادب اور احتساب (تحقیقی، علمی، ادبی مضامین) ۲۰۱۶ء (۵) کلکتے کا ادبی ماحول۔ بیسویں صدی میں (تذکرہ) ۲۰۱۶ء (۶) تراوش قلم (ادبی مضامین) ۲۰۱۷ء (۷) لمحوں کے قدم (نظمیں) ۲۰۱۷ء (۸) تنقید وتحلیل (تحقیقی وتنقیدی مضامین) ۲۰۲۱ء (۹) ادب وعصر (تنقید اور تجزیہ) ۲۰۲۲ء (۱۰) لذتِ سنگ (غزلیات) ۲۰۲۳ء (۱۱) سخن زار (رباعیات) ۲۰۲۳ء اور (۱۲) اقبال: بحر بیکراں (تحقیق) ۲۰۲۴ء شامل ہیں۔ علامہ اقبال پر کتاب تصنیف کرنا اعزاز سے کم نہیں ہے۔اقبال کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرنا اور موضوع کا حق ادا کرنا مشکل کام ہے۔وہی ادیب اس میں کامیاب ہوتا ہے جس کا مطالعہ نہایت وسیع ہوتا ہے اور وہ اقبال کے فن کا فہم رکھتا ہے۔ڈاکٹر معصوم شرقی نے اقبال کے متعلق نہ صرف نثر میں بلکہ شعری پیرائے میں بھی اپنے خیالات پیش کئے ہیں جو اقبال: بحر بیکراں میں شامل ہیں۔اس میں یہ قطعہ بھی ہے ۔

آپ نے پایا مقامِ خسروی
آپ کے ہے درس میں درسِ خودی
فلسفے کا عکس ہر تحریر میں
جس سے ظاہر ہے وقارِ زندگی

۱۶۶/صفحات پر مشتمل خوب صورت کور پیج سے سجی تصنیف اقبال: بحر بیکراں کی فہرست اس طرح ہے۔

☆ اعترافِ اقبال : ڈاکٹر معصوم شرقی ☆ حرفِ خود (۱) اقبال کا نظریہ خودی (۲) اقبال کا تصور عشق (۳) اقبال کا نظریۂ شاعری (۴) اقبال کی شاعری تحفظ انسانیت کی بازگشت (۵) اسلافِ کرام اور عہد حاضر کے مسلمان (۶) اقبال کے افکار ونظریات (۷) اقبال کا پیغام اور اس کی نوعیت (۸) اقبال گر: مولوی سید میر حسن (۹) نیا شوالہ اور اقبال کی غزل گوئی پر مشاہیر کی آراء (۱۰) برگزیدہ ہستیوں سے اقبال کی عقیدت (۱۱) مطالعۂ خطبات اقبال: ''تشکیلِ جدید الٰہیات اسلامیہ'' کے تناظر میں (۱۲) مغربی ادبیات کے مشاہیر اور اقبال (۱۳) تصنیفاتِ اقبال (۱۴) اقبال کے اقوال زرین/ پیغام اقبال (۱۵) اقبال کی وفات پر تعزیت کے پیغام (۱۶) اقبال ''عالمی دانشورانِ ادب کی نظر میں'' (۱۷) مشرق ومغرب کے مفکرین وفلسفیوں کا مختصر تعارف۔علامہ اقبال کا شمار اردو زبان وادب کی ایسی نامور ہستیوں میں ہوتا ہے جن پر متعدد مضامین و تصانیف منظر عام پر آچکے ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے اور اسی زنجیر کی ایک کڑی ڈاکٹر معصوم شرقی کی تصنیف اقبال: بحر بیکراں ہے۔ ڈاکٹر معصوم شرقی کو میں دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں کیونکہ انھوں نے اس کتاب کا نہایت عمدہ اور معنی خیز عنوان رکھا اور مختصر الفاظ میں اقبال کے متعلق مختلف اہم باتیں تحریر کیں۔ علامہ اقبال مقصدی شاعری کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔ ان کے اشعار اقوال زرین کی حیثیت رکھتے ہیں۔اس میدان میں کوئی شاعر ان کے آس پاس نظر نہیں آتا۔ڈاکٹر معصوم شرقی نے اپنی اس تصنیف میں ایک جگہ تحریر کیا ہے کہ :

''اقبال کی سوچ بڑی منطقی تھی۔ وہ اجتماعیت کے قائل تھے اور جماعت کے لئے ہر ممکن حد تک مخلص بھی۔ انہوں نے خود اپنی ساری زندگی عالم اسلام اور بنی نوع انسان کے لئے اس تعلیم وارشاد اور نصیحت میں صرف کردی کہ انسان خود اپنی نگاہ میں موقر ہو، تاکہ لوگوں کی نگاہ میں بھی محترم ہو اور نتیجتاً زندگی کی نگاہ میں وقیع ہو۔''

ڈاکٹر معصوم شرقی کا ڈاکٹر اقبال پر یہ ایک بڑا ادبی کام ہے ، اس ادبی کاوش سے متاثر ہو کر ف۔س۔اعجاز نے تحریر کیا ہے کہ : ''معصوم شرقی نے اقبال کے حوالے سے اپنی دریافت کو مزید مستند بنانے میں مشرق ومغرب کے مفکرین کا مطالعہ بھی شامل کیا ہے۔''

اور پروفیسر مجید بیدار نے لکھا ہے کہ : ''اقبال شناسی کے مرحلے میں ان کی کتاب جدید تحقیقات اور عصری حقیقت پسندی کی عکاس ہے۔کلکتہ کی سرزمین کو یہ اعزاز حاصل ہو رہا ہے کہ معصوم شرقی کے قلم کی جولانی سے علامہ اقبال کے افکار کے نگینوں کو ضوفشانی کا موقع دستیاب ہو رہا ہے۔''

اس کتاب کو اس پتے سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

عثمانیہ بک ڈپو کلکتہ ۔ Mob.09433050634

افسانے

قوتِ ارادی

ڈاکٹر عظیم راہی (اورنگ آباد)
موبائل : 9370992203

''تمھیں اتنی ساری بیماریاں ہیں اور گھریلو پریشانیاں الگ، لیکن اس کے باوجود اکثر میں دیکھتا ہوں کہ تم بہت مطمئن رہتے ہو اور بڑے خوش خوش دکھائی دیتے ہو۔'' اُس کے بے حد قریبی دوست نے پوچھا تو وہ مسکرادیا اور بولا :

''دراصل میری ضرورتیں، میری ذمہ داریاں مجھے صحت مند بنائی رکھتی ہیں جو میرے حوصلوں کو بڑھاوا دیتی ہے اور میری قوتِ ارادی کو مضبوط کرتی ہیں۔''

اُس کے چہرے پر خوشی کے نئے رنگ اور آنکھوں میں زندگی کی چمک دیکھ کر اُس کے دوست پر تو جیسے حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ☆☆☆

جانور سے بدتر

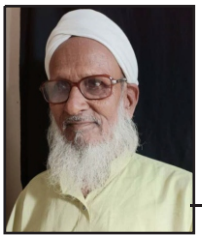

ندیم مرزا (بیڑ)
موبائل : 7744014147

ایک کُتیا کے پیچھے دو کُتّے لگے ہوئے تھے۔
دونوں بھی ایک دوسرے کو برداشت نہیں کر رہے تھے۔
دونوں میں لڑائی ہوئی اور طاقتور نے کمزور کو بھگا دیا۔
دوسری جانب چار آدمی ایک عورت کو مل بانٹ کر نوچ رہے تھے —!!! ☆

مطمئن

ڈاکٹر نخشب مسعود (مالیگاؤں)
موبائل : 9372012930

ہم فراز پر تھے ——— اور دشمن نشیب میں — دونوں طرف سے شدت کی بم باری جاری تھی ہر طرف دھواں اور آگ کا منظر تھا ——— کھڑی فصلیں اور مکانات جل رہے تھے تباہ ہو رہے تھے . معصوم بچوں اور مظلوم عوام کی چیخ و پکار سے فضا لرز رہی تھی_

———اور ہم فراز آباد نیچے کا نظارہ دیکھ کر بہت مطمئن تھے کہ ہم تک دشمنوں کے گولے پہنچنا محال ہیں۔☆

سائلینٹ موڈ پر پریم

افسانچہ نگار : پون شرما
ترجمہ : ڈاکٹر نخشب مسعود

فون سائلینٹ پر کیوں رکھا ہے؟
آوازیں ڈرانے لگی ہیں ___
کس کی آواز؟'
تیری یادوں کی
میں تو اب نہیں آتی زندگی میں ___
پر تیرا نام اب بھی نوٹیفکیشن میں دھڑکتا ہے بنا آئے۔
تمھیں آگے بڑھ جانا چاہئے ___
میں نے کوشش کی، لیکن تیری خاموشی ہر کوشش سے بھاری نکلی۔
کیا ہم واقعی ختم ہو جائیں گے؟
شاید ___ پر تیرے ''الوداع'' نے اب تک ڈیلیور نہیں لیا ___
مت ڈھونڈو مجھے پرانے چیٹس میں۔
تو اب!
اب سائلینٹ موڈ پر ہی جانا ہے، کم سے کم وہاں تو بنا شور _____!!

☆☆☆

قانونِ قدرت

ارشد صدیقی (بیڑ)
موبائل : 8999434891

دنیا میں چند ترقی یافتہ ممالک نے برقع پہننے پر پابندی عائد کی تھی۔ برقع پہننے والی خواتین کو برا بھلا کہا۔ لیکن جب پوری دنیا میں کورونا وباء نے قہر پھیلا رکھا تو۔ نقاب پہننے کی مخالفت کرنے والے ممالک کے تمام لوگ اب کورونا بیماری کے ڈر سے خود نقاب پہنے پھر رہے ہیں۔

ہمدردی

مصنف: رام نارائن اپادھیائے
مترجم: ڈاکٹر نخشب مسعود

ایک کسان نے ساہوکار سے قرض لیا. ساہوکار نے قرض کے عوض میں اس کی زمین جائیداد، زیور کپڑے سب کچھ چھین لیا. صرف اس کی کمر میں ایک لنگوٹی رہ گئی۔

کسان نے سوچا کہیں ساہوکار اس کی لنگوٹی بھی نہ چھین لے اس ڈر سے بھاگ کر وہ ایک مندر میں بھگوان کی مورتی کے پیچھے جا چھپا۔

رات کے اندھیرے میں جب اس نے مورتی پر ہاتھ پھیرا تو اسے لگا کہ وہ تو ایک دم برہنہ ہے۔

اس کا من بھر آیا اور اس نے ہمدردی بھرے لہجے میں بھگوان کے کان میں پوچھا۔

''کیوں بھگوان، کیا تو نے بھی ساہوکار سے قرض لیا تھا؟ اس نے میرے شریر پر لنگوٹی رہنے دی لیکن تیرے جسم پر تو وہ بھی نہیں۔''

☆☆☆

خاکہ

خاکچہ نگار : ندیم مرزا (بیڑ)
موبائل : 7744014147

۱
سید سجاد اختر

اٹھلاتی بل کھاتی ندی کا ترنم، عاجزی وانکساری کا نمونہ جیسے بلندیوں سے گرتے ہوئے آبشار کا مدھر سرگم، لب کھولے تو نسیمِ سحر کے حیات بخش جھونکے۔

درمیانہ قد وقامت، صباحت آمیز رنگت، ماہتاب کی طرح روشن صورت، لبوں اور بڑی خوبصورت آنکھوں میں نرم مسکراہٹ کے پھول جیسے جھیل ڈل میں تیرتے لشکارے، روح کی گہرائی تک اُتر جانے والا لہجہ، اپنے تو اپنے غیروں میں بھی مقبول، حصولِ تعلیم و تربیت سے درس و تدریس، ضلع کے مقدس و محترم مقام تک اپنی مثال آپ، جب اتنی خوبیاں یکجا ہوتی ہیں تو سجاد اختر پیدا ہوتا ہے۔ جی ہاں! ضلع بیڑ کے ممتاز و معروف شاعر سید کریم الدین کمتر کے نورِ نظر، معروف و مقبول مرحوم شاعر، سید اختر سجاد کے بڑے بھائی سید سجاد اختر۔

۲
اسلم مرزا

صباحت آمیز گوری رنگت، ستواں ناک، کشادہ پیشانی اور سفید داڑھی، عالی نسب ہونے کی نشانی، روشن اور چمکدار آنکھیں، آنکھوں پر بے داغ، بے رنگ، بلاتفریق سب کو ایک نظر دیکھنے والی خصوصیت کا حامل چشمہ، پتلے پتلے گلابی رنگت کے ہونٹ جن پر ہمیشہ رقصاں مسکراہٹ جو سامنے والی شخصیت کا قتل نہیں حیات بخشی اور مسیحائی کا کام کرتی ہے۔ پیشہ وکالت ہے، اردو اصناف سخن میں متعدد اصناف پر طبع آزمائی، بیک وقت شاعر، ادیب، مصنف، تبصرہ نگار، ترجمہ نگار، تاریخ دان، اردو زبان کے ساتھ دوسری زبان میں اپنی نگارشات، اردو ادب کو پیش کرنے کی ماہرانہ صلاحیت کی حامل شخصیت جس پر اردو ادب کی دنیا کے ساتھ خصوصاً احمد نگر اور شیراز دکن خجستہ بنیاد اورنگ آباد کو ناز ہے، یہ ہماری جیتی جاگتی متحرک ادبی دنیا کی جیتی جاگتی ناقابل فراموش شخصیت کا نام اور مغلیہ تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کا نام ہے اسلم مرزا۔

۳
ڈاکٹر عظیم راہی

مرحوم کریم الدین کمتر کا شعر ہے ۔

آنچل کہیں ہے، زلف کہیں اور کہیں خیال
ان کا بھی حال ہے مرے افکار کی طرح

اس شعر کے مطابق بکھرے بکھرے کہیں سفید، کہیں لال، سونے اور چاندی کی آمیزش لئے سر اور داڑھی کے چمکتے بال، روشن چمکدار آنکھیں، کشادہ پیشانی، لبوں پر پُروقار مسکراہٹ، درمیانہ قد ایسا کہ بڑوں کی جلوت میں بڑا، چھوٹوں کے ساتھ بیٹھے تو چھوٹوں کو چھوٹے ہونے کا احساس نہ ہونے دیں، اخلاق و محبت کی تفسیر، جوگندر پال اور عارف خورشید کی وراثت ''افسانچہ'' کا وارث، بات کو مختصر انداز میں پیش کر کے اختتامی کلمات کے کلائمکس میں ان کہی کہانی کو کہنے والا۔

جی ہاں! ان تمام خوبیوں کی حامل شخصیت نظر آئے تو بلا تامل سمجھ لیجئے کہ یہی ہیں عظیم راہی۔

۴
ڈاکٹر یوسف صابر

کھلی رنگت، چہرے پر بشاشت، کشادہ پیشانی، عزووقار کی نشانی، لبوں سے جھڑتی کلیاں، آنکھوں میں مچلتی بجلیاں، تلاش ہے، جستجو ہے، خوب سے خوب تر کی آرزو ہے، قابلیت کو ناز ہے، کاغذ و قلم کا سلسلہ دراز ہے، روشن چراغ ہے، کتنے پی ایچ ڈی کرنے والے ہیں جن کے سروں پر دست کرم دراز ہے۔ درس و تدریس کے اعلیٰ فرائض، فرائض منصبی ہیں۔ اسناد و ڈگریاں بے شمار، ہر دم محو سفر ہیں، کہیں لیکچر دینا ہے، مشاعرہ ہو، ادبی نشست ہو، شرکت کرنی ہے۔ تشنگان علم و ادب کی تشنگی کا احساس ہے۔

شعر، شاعری، افسانہ نگاری اور تبصرہ نگاری پر زبردست کمال حاصل ہے۔ عکس ادب کے خود کفیل و مخلص مدیر ہیں۔ ستائش کی آرزو نہ تمنا ہے۔ برسوں سے اردو زبان و ادب کی پُرخلوص خدمات انجام دے رہے ہیں۔ خصوصاً نئے لکھنے والوں کی تلاش ہے۔ صبر و رضا کے پیکر ہیں، اسی لئے تو یوسف خان صابر ہو کر بھی یوسف ہیں اور صابر بھی۔

۵
چاند اکبر

درمیانہ قد مگر سایہ دراز ہے، رنگت میں گلابوں کا احساس ہے، سادگی، عجز و انکساری کا خوبصورت امتزاج ہیں، لہجہ کی نرمی، طرز گفتگو کا انداز، تہذیب رفتہ کا امتیاز ہیں، چہرہ آفتاب ہے۔ اک کھلی کتاب ہے۔

ملتے ہیں تو ایسے جیسے برسوں کی شناسائی ہے، سادگی کو سادگی پہ ناز ہے۔ گھومتا آئینہ کے مدیر ہیں، زمانے کے عکاس ہیں۔ لوگ کہتے ہیں ہلال ہیں، حق تو یہ ہے کہ آسمانِ ادب میں چودھویں کا چاند ہیں۔ چودھویں کا چاند ہلال نہیں پورا چاند ہوتا ہے۔

اسی لئے تو نام ہے چاند اکبر۔

☆☆☆

شاعری

غزل

شفیع احمد شفیع (پربھنی)
موبائل : 7972462122

جڑ جائے ترے نام جو خوش کام ہے ہچکی
بے ربط دمِ آخری بے دام ہے ہچکی
پیغام رساں ہوتو یہ انعام ہے ہچکی
بے فیض ، محبت کے لئے خام ہے ہچکی
گل بار وہ ہونٹوں پہ مرا ذکر ہے شاید
بے وجہ نہ خوشبو بھری گلفام ہے ہچکی
کب تم سے کہا سر نہ یہ کاندھے سے ہٹاؤ
کچھ دیر چلو ساتھ کہ دوگام ہے ہچکی
میکش کو صراحی کے دکھا یار کرشمے
چسکی ہے بقا اور لب جام ہے ہچکی
سرحق کے لئے اہلِ فلسطین کے کٹے پر
کمزور عزائم ہیں نہ نیلام ہے ہچکی
سانسوں کے اکھڑنے کی صدا جس میں بسی ہو
احمؔد نہ سمجھنا اُسے اک عام ہے ہچکی

☆☆☆

ایک مطلع اور ایک شعر

مشتاق احسن (ناگپور)
موبائل : 9881011320

اتنی چھوٹی عمر میں یہ بدزبانی ، تخلیہ
تم نظر آتے نہیں ہو خاندانی ، تخلیہ
وقت اب آہی چکا ہے بوریا باندھو ، چلو
کر چکے ہو خوب اب تک حکمرانی ، تخلیہ

﴿نثری نظم﴾

التجاء

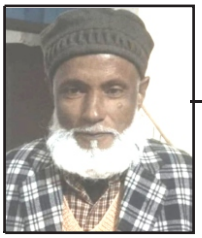

محمد احمد دانش روانوی (بجنور)
موبائل: 9759418047

کتابیں جھانکتی ہیں بند
الماری کے شیشوں سے
نکالے ان کو الماری سے
پڑھنے کے لے کوئی۔
بہت کم رہ گے ہیں
ان کو پڑھنے والے اب۔
کتابیں علم کا روشن خزانہ ہیں۔
کتابیں رہنماء ہیں انسانیت
اور دین و مذہب کی۔
نہیں ہے ان سے بڑھ کر
آدمی کا دوست کوئی بھی۔
نہیں دیتی ہیں دھوکا دوستی
میں یہ کسی کو بھی۔
کتابوں سے ہی پہچانا ہے
اپنے رب کو انساں نے۔
کتابیں آگہی و معرفت کا گہرا دریا ہیں۔
خدا نے روئے ارضی پر
جو بھی نبی بھیجے۔
کتابیں رب نے اپنی ان کو دیں۔
کہ جن سے حق نما پیغام
وہ ملت کو پہنچائیں۔
کتابیں معجزہ رب کا
رہی ہیں ہر زمانے میں۔
کتابیں ہیں خزانہ علم
وحکمت کا ہمیشہ ہی۔
نصاب زیست کا وہ کونسا گوشہ ہے بتلاؤ!
کتابوں سے جو خالی ہو
کتابیں رہنماء ٹھہریں
ہے دنیا اور عقبیٰ میں۔
ہمیں نے موندلی آنکھیں
ہیں اپنی ان کتابوں سے
ہوں ہم جب اتنے غافل کتابوں سے۔
ہماری رہنمائی کا کہاں آخر ٹھکانہ ہے۔
نہ دنیا میں ہمارے
واسطے سرخروئی ہے۔
نہ عقبیٰ میں ہماری کامیابی ہے۔
بھلائی چاہتے ہو کوئی بھی گر دین و دنیا کی۔
کتابوں سے کرادو دوستی بس نونہالوں کی۔
کرو آزاد الماریوں کی قید سے ان کو۔
مطالعہ شوق سے کرنے لگو گے جب کتابوں کا۔
جلا پاؤ گے ذہن وفکر
اور ادراک میں اپنے۔
نصیحت یہ حقیقت ہے
نہ جانو اس کو افسانہ
کتابوں سے خزانہ
قیمتی ہرگز نہیں کوئی
مطالعہ میں کتابیں گر
رہیں گی آپ کے یوں ہی۔
یہ دنیا سر چڑھائے گی دیکھنا اک دن
نہیں گر قدر جانی تم نے کوئی بھی
کتابوں کی۔
ہر جگہ پاؤ گے ذلت اور رسوائی۔
خدا نے جب حبیب پاکؐ کو مبعوث فرمایا
دیا کار نبوت پھر حبیب پاکؐ کو رب نے۔
کیا آغاز اقراء سے کتاب رہنمائی کا
مگر اے کاش ہم اس
راز کو ہی سمجھ لیتے۔
مقدر ہوتیں یہ ناکامیاں کیوں کر

☆☆☆

مُلتجی

فلسطین کے پس منظر میں

ڈاکٹر غزالہ پروین (اورنگ آباد)
موبائل : 9850782985

بارگاہ میں تری
چشم نم ہے مری
بارِالطاف سے ..... سرنگوں ہے مرا
اے خدائے کریم ..... سن لے میرا الَم
خالقِ بحر و بر
منبعِ عزّ و شرف
بن کے شاکی و باغی اور مُلتجی
تیرے دربار میں ہوں میں کھڑی
تو جو کہتا ہے رحمٰن و ارحم ہوں میں
پھر تری رحمتوں کو یہ کیا ہو گیا؟
ہے قیامت کا منظر سبھی پر عیاں
یہ معصوم چیخیں یہ جور و جفا
یہ اجلے کفن ..... اور یہ آہ و فغاں
یہ خوں ریز گلیاں ..... یہ معصوم کلیاں
جو کھلنے سے پہلے ہی مرجھا گئیں
ماؤں کی گودیں جو سونی ہوئیں
ویران سی اُن کی آنکھیں ہوئیں
ان کی ممتا کا جانے گا کب کوئی غم
اب تو پانی سے ارزاں ہوا ہے یہ دَم
یہ دہشت ..... یہ وحشت ..... یہ بھوکے شکم
کتنے معصوم بچے ہوئے ہیں ختم
بتا کون سی اب قیامت ہے باقی ؟
قیامت سے بڑھ کر قیامت ہے دیکھی
اے خدائے کریم
میں تحیر کی وادی میں ہوں غوطہ زن
ایسے منظر پہ ساکت و جامد ہے تو
جبکہ تیری خدائی رہی کُو بہ کُو
تجھ کو دعویٰ کہ جھپکی بھی لگتی نہیں
نومِ ابدی تو ہم سوچ سکتے نہیں
کچھ رحم کی نظر
تو ادھر بھی تو کر
یہ خوں ریز سڑکوں پہ بکھرے کھلونے
یہ خوں میں شرابور معصوم مکھڑے
ہنسی اور شرارت میں رہتے تھے ڈوبے
یہ فرحاں و شاداں ننھے سے چہرے
تھے گھر جن کی کلکاریوں سے بھرے
یہ معصوم بچے کہاں چل دیئے؟
یہ دنیا تو دوزخ سے بدتر لگے
مرے غم کا کچھ تو مداوا کرے
مری مامتا کو
اور نہ آزما ..... اے خدا
بارگاہ میں تری
سرنگوں ہے مرا

☆☆☆

رباعی

کے انیس اظہر (وانمباڑی)
موبائل : 8270225725

کب وقتِ قضا آئے کسے کیا معلوم
کب روح نکل جائے کسے کیا معلوم
جلد اپنے ہر اک جرم سے توبہ کرلو
کس حال میں موت آئے کسے کیا معلوم

غزل

محمد جمال الدین چشتی (اورنگ آباد)
موبائل : 9890225075

خونِ جگر کے قطروں کی قیمت بدل گئی
احسان مند لوگوں کی فطرت بدل گئی
سنتا ہوں پھر سے دھوم ہے بازارِ مصر کی
اتنا سا فرق ہے کہ نوعیت بدل گئی
کرنے لگے ہیں شکر میں تحفہ قبول اب
یوں افسروں میں صورتِ رشوت بدل گئی
ہے گردشِ فلک کا تماشہ بھی خوب تر
چائے بنانے والے کی قسمت بدل گئی
اتنی اٹھائے بیٹھے ہیں لذت جہان کی
محو دعا ہے جب سے یہ عشرت بدل گئی
ایک دور تھا کہ جسم دو تھے ایک جان ہم
کچھ دن ہوئے ہیں ان کی یہ چاہت بدل گئی
رشتے نبھائے جاتے ہیں شرطوں پہ اب جمالؔ
بے لوث ملنے والوں کی عادت بدل گئی

غزل

چشتی سلیم بیدرد (پربھنی)
موبائل : 9970414056

شکاری اپنے ہی فن کے نشان بھول گیا
تیر تو ساتھ تھا لیکن کمان بھول گیا
زبانِ غیر کے آکر فریب میں یا رب
حریصِ دنیا وہ اپنی زبان بھول گیا
اڑان ایسی بھری اس نے یہاں شہرت کی
جہاں پہ آنکھ تھی کھولی، جہان بھول گیا
مدتوں بعد جو اس کا مجھے دیدار ہوا
میں اس کے عشق میں ساری تھکان بھول گیا
اونچی اونچی حویلیاں تو رہیں یاد تجھے
تف ہے بیدرد آخری مکان بھول گیا

☆☆☆

مضامین

عکسِ ادب: ڈاکٹر یوسف صابر کی ادبی صحافت کا آئینہ

حلیم صابر ، کلکتہ
Mob: 9748772983

صحافت کا رشتہ ادب سے ہے اِس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ صحافی کا قلم جب اخبار کے اداریئے تحریر کرتا ہے تو اس میں ادب کا بھی لحاظ ہوتا ہے لیکن خالص ادبی رسائل و جرائد کے مدیران کے تحریر کردہ اداریئے پوری طرح ادبی حیثیت کے حامل ہوتے ہیں جن میں ادبی رموز و نکات پر ہی گفتگو کی جاتی ہے۔ نثری و شعری ادب کے حوالے سے تحقیق و تنقید یا اس سے منسلک جس نہج پر بات کی جائے اس میں ادبی حوالے ضرور ہوتے ہیں۔ کل ہند پیمانے پر پابندی کے ساتھ شائع ہونے والے ادبی رسالوں میں ڈاکٹر یوسف صابر کے زیر ادارت سرزمینِ ولی اورنگ آبادی سے شائع ہونے والے معیاری رسالہ سہ ماہی ''عکس ادب'' کا بھی شمار ہوتا ہے جو پچھلے 12 برسوں سے قارئینِ ادب کی ذہنی آسودگی عطا کر رہا ہے۔

''عکس ادب'' کے مدیر کی حیثیت سے یوسف صابر کی نظر عالمی سطح پر پورے ادبی منظر نامے پر رہتی ہے۔ آپ صرف ہندو پاک کے شعراء و ادباء کی تخلیقات پر نگاہ نہیں رکھتے بلکہ پوری اردو دنیا کے قلم کاروں سے آپ کا رابطہ قائم ہے اور وقتاً فوقتاً اُن کی بھی تخلیقات پر آپ توجہ صرف کرتے ہیں۔ شاعر جو مشاعرے میں کلام پیش کرتا ہے اُس کا اثر سامعین پر اُسی وقت تک رہتا ہے جب تک اُن کی سماعتوں سے اشعار گزرتے ہیں لیکن شاعر کا کلام جب ادبی رسالے میں شائع ہوتا ہے تو قارئینِ کرام پر اس کا اثر دیرپا ہوتا ہے کیونکہ پکی سیاہی میں نظم ہو یا نثر چھپنے کے بعد اُس کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ ''عکس ادب'' کے مدیر یوسف صابر اس امر سے بخوبی واقف ہیں اور وہ اپنے رسالے میں شائع ہونے والی تخلیقات کا انتخاب بھی غائر نظر سے کرتے ہیں۔

''عکس ادب'' میں یوسف صابر صرف شعراء و ادباء کی شعری و نثری تخلیقات کو مختصر طور پر جگہ دے کر مطمئن نہیں ہوتے بلکہ کہنہ مشق شاعر و ادیب کے علاوہ نئی نسل سے تعلق رکھنے والے تخلیق کاروں پر گوشے بھی شائع کر کے انہیں دنیائے ادب سے متعارف کرانے کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ مزید برآں ''عکس ادب'' میں شائع ہونے والی تخلیقات مدیر محترم یوسف صابر کے حسنِ انتخاب کی روشن مثال ہوتی ہیں۔ ورنہ بعض رسائل کے مدیران تخلیقات کے انتخاب کے سلسلے میں اتنی توجہ نہیں دیتے جس سے ان کے رسالے کا معیار قائم رہے۔

ڈاکٹر یوسف صابر کے اداریئے بھی ادب کے مختلف گوشوں پر ہوتے ہیں، کبھی تحقیقی ادب کے تعلق سے اُن کا مشورہ اداریئے کی زینت ہوتا ہے تو کبھی تخلیقات کے متعلق جس سے طلباء و قارئین مستفید ہوتے ہیں۔ یوسف صابر صاحب کا تعلق درس و تدریس سے ہے اس لئے وہ طلبہ و طالبات کے تعلیمی حصول اور ایم فل، پی ایچ ڈی کے لئے ریسرچ اسکالروں کو مشورہ بھی دیتے ہیں اور اُن کی جائز طریقے سے مدد بھی کرتے ہیں۔ اب تک اُن کی نگرانی میں بہت سارے امیدوار ایم فل اور پی ایچ ڈی سے سند یافتہ ہو چکے ہیں اور بہت سے امیدوار اُن کی معاونت کے منتظر ہیں۔ یوسف صابر ''عکس ادب'' کے اداریئے میں بھی حصولِ علم کے تعلق سے مشورہ اونچے درجے کے طلبہ کو دیتے ہیں جس کی عکاسی ''عکس ادب'' کے بعض شمارے کے اداریئے میں بطور خاص ہوتی ہے۔ جولائی تا ستمبر 2021ء کے اداریئے میں یوسف صابر نے پی ایچ ڈی کے امیدواروں کو جو مفید مشورہ دیا وہ ملاحظہ فرمائیں۔ ''اردو زبان و ادب کے طلباء و طالبات میں پی ایچ ڈی کرنے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ پی ایچ ڈی کرنے والوں کی تعداد بھی بڑھ چکی ہے اس لئے رہبروں کی تعداد بھی بڑھ رہی ہے۔ اس وقت اردو میں پی ایچ ڈی کے لئے کافی امیدوار NET, SET, PET کے اہلیتی امتحانات پاس کر چکے ہیں۔ اس لئے کس عنوان پر پی ایچ ڈی کی جائے یہ بھی ایک مشکل مرحلہ بن چکا ہے۔ پی ایچ ڈی کے مقالوں میں Repeatation نہ ہو اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے اور یہ تبھی ممکن ہوگا جب پی ایچ ڈی کا عنوان مناسب ہو۔ پی ایچ ڈی کا عنوان اگر منفرد ہو تو مقالہ تحریر کرنے میں دشواریاں کم ہوتی ہیں۔ جب ایک ہی طرح کے عنوانات پر پی ایچ ڈی کے مقالے تحریر ہوتے ہیں تو مشکلات بڑھ جاتی ہیں اور *Repeatation* کے خطرات بھی بڑھ جاتے ہیں۔''

اس طرح کے مشورے پی ایچ ڈی کرنے والوں کے لئے کسی ادبی جریدے میں کم نظر آتے ہیں جن سے امیدواروں کو روشنی ملتی ہے۔ اب پی ایچ ڈی کے لئے مقالے کے عنوان کے تعلق سے یوسف صابر کی رائے پر بھی غور فرمائیں۔ ''پی ایچ ڈی کے مقالوں کے عنوانات فائنل کرنے میں سب سے اہم رول ایکسپرٹ کا ہوتا ہے۔ ایکسپرٹ اگر ریسرچ اسکالر کی پسند کو دھیان میں رکھتے ہوئے کوئی مناسب عنوان تجویز کرے تو کام کرنے والے کی تحقیق میں دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ (باقی صفحہ ۶۴ پر)

'سلگتے احساس' کا شاعر: مشتاق دربھنگوی

شگوفہ تمنا (آسنسول، مغربی بنگال)

مشتاق دربھنگوی کا تعلق صوبہ بہار کے ضلع دربھنگہ سے ہے۔ آپ کی پیدائش دربھنگہ میں 5 فروری 1958ء کو ہوئی۔ پھر تلاشِ معاش کے سلسلے میں آپ کلکتہ چلے آئے اور اخبار مشرق سے وابستہ ہو گئے جہاں آپ نے 28 سال خدمات انجام دیں۔ آپ کسی تعارف کے محتاج نہیں بلکہ قومی اور عالمی سطح پر آپ کے کارناموں کی دھوم ہے۔ ملک ہی نہیں بلکہ بیرونِ ملک کے اردو اخباروں میں بھی آپ کے ادبی کارنامے شائع ہو چکے ہیں۔ آپ نے کل 16 کتابیں ترتیب دی ہیں۔ آپ کا شعری مجموعہ ''سلگتے احساس'' کے نام سے منصۂ شہود پر آکر اربابِ علم و ادب سے داد و تحسین حاصل کر چکا ہے۔ آپ نے شعراء و ادباء کو ایک دوسرے سے جوڑنے کا پختہ ارادہ کر رکھا ہے جو کہ ایک نہایت مشکل امر ہے۔ اتنے لوگوں کا نام، ایڈریس اور کلام یکجا کرنا بے حد دشوار کام ہے لیکن آپ لگاتار اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔ ملک اور بیرون ملک کے شعراء و شاعرات کا تعارف یکجا کرنا اور ان کی معلومات کو خود کمپیوٹر پر ترتیب دینا میرے خیال میں جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ میں آپ کے حوصلے اور ہمت کی داد دیتی ہوں اور آپ کے اس عظیم کارنامے کے لئے آپ کو تہِ دل سے مبارکباد پیش کرتی ہوں۔ ساتھ ہی دعا کرتی ہوں کہ خدائے رب العزت آپ کو صحت اور تندرستی عطا کرے اور آپ یونہی ادب کی خدمت کرتے رہیں۔ آپ کی کاوشوں کو ملک و بیرونِ ملک کی ادبی تنظیموں نے خوب سراہا اور زبردست پذیرائی کی۔ آپ کی کتابوں کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو درجنوں ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔ آپ کے متعلق ڈاکٹر صابرہ خاتون حنا فرماتی ہیں ''مشتاق دربھنگوی کو دنیائے ادب اُن کی کتابوں کے حوالے سے جانتی ہے۔ وہ 16 کتابوں کے مرتب ہیں لیکن شعراء و شاعرات کی عالمی ڈائرکٹری ''گوش بر آواز'' ایک ایسی کتاب ہے جس میں انہوں نے پوری دنیا کے شعراء و شاعرات کو ایک دھاگے میں پرونے کی کوشش کی ہے۔ ''گوش بر آواز'' میں پوری دنیا کے 3704 شعراء و شاعرات شامل ہیں۔ ''لا الہ الا اللہ'' موصوف کی معرکۃ الآرا کتاب ہے جس سے میں بیحد متاثر ہوئی۔ یہ کتاب میرے مطالعے کا حصہ بنی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس میں شامل شعراء میں ایک نام سردار رب نواز صارم کا بھی ہے۔ برادرِ محترم سردار رب نواز صارم کتابیں پڑھنے اور شاعری سے دلچسپی رکھتے ہیں اس لئے وہ مختلف رسائل و جرائد اور کتابیں بذریعہ ڈاک منگواتے ہیں۔ ان کو کتابیں پڑھتا دیکھ کر مجھے بھی کتابیں پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ میں اُن کے شیلف سے کتابیں نکال کر اکثر پڑھا کرتی تھی۔ اتفاق سے اس کتاب پر بھی میری نگاہ گئی اور میں نے اس کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ اس کے مطالعے سے قلبی سکون محسوس ہوا اور ایسا لگا کہ یہ کتاب صدقۂ جاریہ ہے۔ اس نیک عمل کو دیکھ کر میرے دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔ مشتاق دربھنگوی کے تعلق سے غفران اشرفی (گیا، بہار) نے اپنے گلہائے تہنیت میں کتنی اچھی بات کہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں :

علم کے تاجدار ہیں مشتاق — لائقِ افتخار ہیں مشتاق
اشرفی بات سچ ہے کہہ دیجئے — کس قدر ہونہار ہیں مشتاق

بے شک مشتاق دربھنگوی ایک ہونہار شخص ہیں۔ حالانکہ آپ کو ہارٹ اٹیک جیسی زبردست آزمائش سے بھی دوچار ہونا پڑا لیکن اس کے باوجود آپ کا حوصلہ پست نہ ہوا اور آپ خرابیٔ صحت کے باوجود ادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ آپ کی اب تک جو 16 کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں ان کے نام درج ذیل ہیں: لا الہ الا اللہ، صلی علیٰ محمدؐ، ہنسی کے پھول، شمعِ فروزاں، اُسوہ رسولؐ، اقوالِ زریں، سمندر کی لہریں، پہیلیاں، میر بھی ہم بھی، جانِ غزل، لوریاں، اردو شاعری میں زمزم، گوش بر آواز، غزالانِ حرم، عندلیبانِ طیبہ اور مجموعۂ کلام سلگتے احساس۔

مشتاق صاحب کے مجموعۂ کلام 'سلگتے احساس' کی اشاعت کے بعد کئی تہنیتی قطعات میری نظر سے گزرے۔ چند قطعات آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

بھائی مشتاق کی سلطانی ''سلگتے احساس''
بحرِ احساس کی طغیانی ''سلگتے احساس''
کیوں نہ ہوں عظمتِ کردار کے حامل مشتاق
جرأتِ حق کی گل افشانی ''سلگتے احساس''

احسان تابش (گیا، بہار)

روحِ احساس ''سلگتے احساس''
ذہن کی پیاس ''سلگتے احساس''
کیا کروں عرض جنابِ مشتاق
ایک الماس ''سلگتے احساس''

طارق قمر (لکھنؤ، یوپی)

ہے خوب بہت خوب ''سلگتے احساس''
سب کو ہے یہ مرغوب ''سلگتے احساس''
عمدہ ہے سرِ ورق بھی جو مجموعے کا
ہر اک کو ہے مطلوب ''سلگتے احساس''

عبدالحق امام (گورکھپور، یوپی)

''سلگتے احساس'' کی بدولت ہر ایک قاری سنور رہا ہے
ہر ایک آنسو سلگ سلگ کر اب اُسکے دامن کو بھر رہا ہے
زمانہ قائل ہے فکرِ مشتاق کی یقیناً بلندیوں کا
''سلگتے احساس'' کی تپش کو عزیز محسوس کر رہا ہے

عزیز بلگامی (بنگلور، کرناٹک)

(باقی صفحہ ۶۴ پر)

افسانہ

پیوندکار

ڈاکٹر ذاکر خان ذاکر (ممبئی)
موبائل : 9987173997

شہرِ ناپُرساں کی گلیوں میں وقت کی چال کبھی یکساں نہ تھی۔ دھوپ یہاں جھک کر چلتی تھی، جیسے روشنی کا بوجھ اسے تھامے ہوئے ہو۔ تنگ گلیوں میں خواب تارتار ہوتے تھے اور لوگ زمین پر قدم رکھتے ہوئے بھی ڈرتے تھے، جیسے ہر چال ایک قرض ہو۔ دھیمے لہجے میں باتیں کرتے کہ لفظوں کی قیمت کہیں جیب سے نہ نکل جائے۔ خواب یہاں مہنگائی کے نرخنامے سے بندھے تھے، جیسے بازار کا کوئی پرانا کھلونا جسے خریدنے سے پہلے سو بار آنکھوں ہی آنکھوں میں ناپا تولا جاتا ہو۔

انہی گلیوں کے ایک موڑ پر جہاں دو کھنڈرات آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے، ایک چھوٹی سی دکان تھی۔ سائن بورڈ پر لکھا تھا: ''سلیم درزی: پیوندکاری کے ماہر'' کاغذ پر یہ الفاظ برسوں کی نمی سے دھندلا چکے تھے جیسے سلیم نے انھیں لکھ کر بھلا دیا ہو۔ دکان کے اندر نیم تاریکی تھی، جہاں زنگ آلود سلائی مشین خاموشی سے اپنی داستان سنا رہی تھی۔ کچی لکڑی کی میز پر ٹیڑھی سوئیاں اور پرانے دھاگے بکھرے تھے۔ دیوار پر آویزاں کیلنڈر سات سال سے ایک ہی تاریخ پر رکا ہوا تھا۔ وہی دن جب سلیم کی بیٹی شبنم ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی تھی۔ دکان میں پرانے دھاگوں کی بو، ماضی کی سیلن اور یادوں کی ماند پڑتی خوشبو بس گئی تھی جیسے یہ جگہ صرف کپڑوں کی نہیں ٹوٹے ہوئے لمحوں کی بھی مرمت گاہ ہو۔

سلیم بخش جو کبھی شہر کا نامور درزی تھا اب خود کو ''پیوندکار'' کہتا تھا۔ وہ کپڑوں کے ساتھ وقت، غم، یادیں اور تھکے ہوئے خواب سیتا تھا مگر اس کی یہ ہنرمندی شہر کے شور میں گم تھی۔ اس کی زندگی اس لمحے تھم گئی تھی جب غربت نے شبنم کے سینے پر آخری سانس کی چادر بنی تھی۔ اس دن دوا کے پرچے پر لکھے حروف اور جیب میں کھنکتے دو سکوں نے اس کے دل میں ایک خلا چھوڑا تھا جو آواز سے بھی پُر نہ ہوتا تھا۔

شبنم کی ہنسی سلیم کے دل میں چراغ جلاتی تھی۔ وہ اسکول جانا چاہتی تھی، ڈاکٹر بننے کا خواب دیکھتی تھی۔ ایک شام جب دھوپ گلیوں سے رخصت ہو رہی تھی سلیم نے اس سے کہا :

''بیٹی! خواب اونچے رکھنا، مگر سلائی مشین کی آواز سے بلند نہ ہونے دینا۔''

شبنم نے مسکرا کر جواب دیا :

''ابو! اگر مشین کی آواز میں خواب سل جائیں تو چاک بھی چنری بن سکتا ہے۔''

مگر وہ چنری کبھی مکمل نہ ہوئی۔ تیز بخار میں شبنم نے آنکھیں بند کیں اور جب کھولیں تو ہاتھ میں دوا کا پرچہ تھا اور لبوں پر سوال :

''ابو، کیا وقت کو دوا سے خریدا جا سکتا ہے؟''

سلیم کا سکوت اسی لمحے قیامت بن گیا۔ اس نے گھڑی اتار دی، کیلنڈر پلٹنا چھوڑ دیا اور مشین کے نیچے رکھی پرانی ٹوپی میں دو سکے رکھ دیئے۔ شبنم کی آخری نشانی۔

ایک شام جب گلیوں میں دھوپ کی جگہ سایوں نے بسیرا کیا، ایک اجنبی دکان کے دروازے پر آیا۔ اس کا چہرہ گرد آلود تھا، جیسے ہوا نے اس کی شناخت پر خاک کا پردہ ڈال دیا ہو۔ آنکھوں میں ایسی تھکن تھی جو ہڈیوں تک اُتر جاتی ہے اور لباس پر دھول، مٹی اور وقت کی سستی جم گئی تھی۔ ہاتھ کانپ رہے تھے، شاید سردی سے یا شاید یادوں کے بوجھ سے۔ وہ دروازے پر رکا، جیسے اندر کی گمشدگی کو سمیٹنے کی کوشش کر رہا ہو اور پھر دھیمے سے بولا :

''کیا آپ وقت کو سی سکتے ہیں؟''

سلیم نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا، جیسے اس کی بات کو تول رہا ہو۔

''میں کپڑوں کو سیتا ہوں، وقت کو نہیں۔''

اجنبی نے آہستہ سے کہا :

''پھر بھی، میری بات سن لیجئے۔''

وہ دکان کے اندر بیٹھا اس کی آواز میں ایک عجیب سی گہرائی تھی۔ جیسے برسوں کی خاموشی لبوں پر ٹوٹ رہی ہو۔

''میرے پاس ایک پرانی قمیص ہے۔ اس میں ایک سوراخ ہے، مگر یہ محض کپڑے کا سوراخ نہیں۔ یہ اس لمحے کا سوراخ ہے جب میری زندگی بدل گئی۔ جب بھی اس تک پہنچتا ہوں، ماضی ٹپکتا ہے۔ ایک ایسا ماضی جو دھاگوں سے نہیں، آہوں اور آنسوؤں سے سلا گیا۔ اس سوراخ کے گرد کا کپڑا چھوؤں تو یادوں کے زخم ہرے ہو جاتے ہیں۔ رات کو جب نیند آتی ہے یہ قمیص میرے ساتھ لیٹتی ہے اور خواب آتے ہیں۔ بھاری، نمناک، بکھرے ہوئے، کبھی ماں کا چہرہ آدھا دھند میں چھپا ہوا ہے، کبھی بیٹی کے کھلونے ویرانے میں پڑے ہوتے ہیں۔ ہر خواب اسی بندگلی میں رک جاتا ہے جہاں کچھ چھوٹ گیا تھا۔ شاید ایک وعدہ۔ شاید ایک آواز۔ یا شاید وہ آخری لمس جسے میں آج تک ڈھونڈ رہا ہوں۔''

سلیم کی آنکھوں میں شبنم کی جھلک چمکی۔ اس نے گہری سانس لی اور کہا :

''تم کیا جانو، میں خود وقت کے دھاگے سے بندھا ہوں۔ میری بیٹی شبنم بھی ایک سوراخ چھوڑ گئی۔ ایک ایسا سوراخ جو کوئی دھاگہ جوڑ نہیں سکتا۔ مگر بتا، کیا چاہتا ہے؟''

اجنبی نے تھیلی سے ایک قمیص نکالی، اس پر دھبے تھے۔

شاید آنسو۔ شاید خون۔ یا شاید وقت کی گرد۔

''یہ سوراخ جوڑ دو۔ شاید اس سے وہ لمحہ واپس آجائے۔''

سلیم نے سوئی تھامی، مشین میں دھاگہ پرویا اور مشین پر قمیص رکھ دی۔ جب پہلی سلائی چلی، مشین کی آواز گونجی : چک ۔ چک ۔ چک۔ یہ وہی آواز تھی جو برسوں پہلے شبنم کے کپڑے سیتے وقت گونجی تھی۔ سلیم کے ہاتھ لرز اٹھے۔ اسے لگا جیسے شبنم سامنے بیٹھی ہے، ہاتھ میں پرچہ، آنکھوں میں سوال :

''ابو، وقت کو پیوند لگا سکتے ہو؟''

ایک آنسو اس کی آنکھ سے گرا، سوئی پر ٹپکا اور دھاگے میں جذب ہوگیا۔ اس نے سلائی مکمل کی اور قمیص اجنبی کو دے دی۔

اجنبی نے قمیص پہنی، ایک لمحہ رکا اور پھر بولا :

''اب وقت بہتا ہے جیسے کوئی دریا اپنی راہ پر لوٹ آیا ہو۔''

وہ چلا گیا، مگر اس کی آواز دکان کی دیواروں میں جذب ہوگئی۔ اگلے دن سلیم نے کیلنڈر کا صفحہ پلٹا، گھڑی پہن لی اور دکان کے باہر تختی بدل دی۔ اب لکھا تھا :

''وقت کے پیوند، یہاں خواب بھی سلتے ہیں۔''

چند شامیں گزریں اور ایک نئی آہٹ دکان کے دروازے پر ہوئی۔ ایک عورت تھی چہرہ پر رومال سے ڈھانپے جیسے اپنی شناخت کو سایوں سے چھپا رہی ہو۔ اس کے ہاتھ میں ایک پھٹی ہوئی چادر تھی۔ جس کے کناروں پر دھاگے ادھڑ کر ریشمی فیتے سے لڑ رہے تھے۔ وہ دھیمے سے بولی :

''سلیم بھائی کیا یہ چادر جوڑ سکتے ہو؟ یہ میری ماں کی آخری نشانی ہے۔''

سلیم نے چادر کو ہاتھ میں لیا، اس کا کپڑا نرم تھا مگر ہر تار میں ایک کہانی سانس لیتی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر بولا جیسے شبنم کی آواز اسے سنائی دے رہی ہو۔

''یہ چادر محض کپڑا نہیں، ایک امانت ہے۔ بتا اس کی کہانی کیا ہے؟''

عورت کی آنکھیں چمک اٹھیں، جیسے کوئی برسوں بعد اس کی بات سننے کو تیار ہوا ہو۔

''یہ چادر میری ماں نے اپنی شادی کے دن اوڑھی تھی۔ اس کے رنگ اب دھندلے ہیں مگر ہر رنگ میں ایک وعدہ چھپا ہے۔ جب اسے اوڑھتی ہوں، ماں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ وہ کہتی تھی : بیٹی یہ چادر تیری امانت ہے، اسے سنبھال کر رکھنا۔ مگر ایک رات جب طوفان آیا یہ چادر پھٹ گئی۔ اس کے ساتھ ماں کی آواز بھی کہیں کھو گئی، کیا تم اس آواز کو جوڑ سکتے ہو؟''

سلیم نے چادر کو میز پر رکھا۔ اپنی انگلیاں کپڑے پر پھیریں جیسے وہ دھاگوں سے آواز نکالنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اسے شبنم کی بات یاد آئی :

''ابو، اگر مشین کی آواز میں خواب سل جائیں تو چاک بھی چرخی بن سکتا ہے۔'' وہ بولا :

''آواز دل میں ہوتی ہے بی بی، یہ چادر تیری ماں کی امانت ہے، تو اسے جوڑ شاید وہ لمحہ لوٹ آئے۔''

وہ سلائی مشین پر بیٹھا۔ چک ۔ چک ۔ چک۔ کی آواز دوبارہ گونجی۔ اس بار اسے محسوس ہوا جیسے شبنم اس کے پیچھے کھڑی ہنستے ہوئے کہہ رہی ہو :

''ابو، یہ چادر سی دو، مگر اس کی کہانی کو مت بھولنا۔''

سلیم نے ہر سلائی میں ایک دعا پروئی، جب چادر مکمل ہوئی، اس نے عورت کے حوالے کر دی۔

''اب اسے اوڑھ کر دیکھ۔ شاید تیری ماں کی آواز لوٹ آئے۔''

عورت نے چادر اوڑھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے مگر لبوں پر مسکراہٹ۔

''سلیم بھائی، یہ چادر اب گنگناتی ہے۔ ماں کی آواز واپس آ گئی۔

وہ چلی گئی مگر دکان میں اس کی دعا کی خوشبو رہ گئی۔ گلی کے بچوں نے دکان کے باہر کھیلنا شروع کر دیا۔ ایک بچے نے پوچھا :

''سلیم چاچا، آپ کپڑوں سے کیا باتیں کرتے ہیں؟''

سلیم نے ہنس کر جواب دیا :

''جو باتیں انسان نہ کہہ سکیں، کپڑے وہ سب کہہ دیتے ہیں اور میں انھیں سن کر، سی کر، جوڑ دیتا ہوں۔''

اب سلیم کی دکان محض درزی کی دکان نہ تھی۔ یہ ایک ایسی پناہ گاہ تھی جہاں وقت کے سوراخ، خوابوں کے چاک اور دلوں کے زخم سلے جاتے تھے۔ ہر آنے والا اپنے دکھ کا ایک ٹکڑا لاتا اور سلیم اسے دھاگوں سے جوڑ کر کہانی بناتا۔ شبنم جو کبھی قمیص کے دھبوں میں چھپی تھی اب دکان کی دیوار پر ایک ننھی مسکراہٹ لئے تصویر میں جھومتی نظر آتی اور جب رات کے سائے گہرے ہوتے سلیم اپنی مشین بند کرتا، شبنم کی تصویر کو دیکھتا اور آہستہ سے کہتا :

''بیٹی، ہم نے وقت کو سی لیا۔''

☆☆☆

ڈاکٹر حمید اللہ خان کی رحلت پر

(مرثیہ)

ڈاکٹر یوسف صابر
(اورنگ آباد)
موبائل : 9326772575

اردو کے آسمان کا تارا نہیں رہا
ہمدرد و غمگسار ہمارا نہیں رہا
اردو ادب کی ہر گھڑی خدمت کے واسطے
رہتا تھا مضطرب جو وہ پارہ نہیں رہا
خود اپنی ذات میں تھے انجمن حمید اللہ
علم و ادب کا اب و ادارہ نہیں رہا
تھا اپنے دوستوں کا جو مخلص و مددگار
افسوس ہے صابر وہ سہارا نہیں رہا
جو بانٹتا پھرتا تھا محبت جہان میں
دنیا میں محبت کا وہ مارا نہیں رہا
افسوس کریں یاد کریں اور دعا کریں
اب اس کے سوا کوئی بھی چارا نہیں رہا

اخبار عکس ادب

ممبئی دوردرشن سہیا دری چینل پر

بضمن عیدملن مشاعرہ

مہاراشٹر کے ممبئی دوردرشن سہیادری چینل پر بضمن عیدملن عظیم الشان مشاعرہ کا انعقاد کیا گیا جس میں ممبئی اور علاقۂ مراٹھواڑہ کے جن شعراء حضرات نے شرکت کی اُن کے اسما گرامی اِس طرح ہیں صدر مشاعرہ شیخ معین الدین فکر پڑتاپ گڑھی حال مقیم (ممبئی) شفیع احمد شفیع (پربھنی) ڈاکٹر یوسف صابر (اورنگ آباد) زینت احسان قریشی (ممبئی) طاہر حسین طاہر (ناندیڑ) سیّد کریم حسینی نیر (پربھنی) غلام ثاقب (بیڑ) نے اپنا مرصّع کلام پیش کیا۔ نظامت کے فرائض ماہرِ علمِ عروض شفیع احمد شفیع نے بحُسن وخوبی انجام دیے۔ بہل صاحب، اعظم صاحب و سہیادری کے تمام اسٹاف نے اپنی ڈائریکشن و ہنرمندی سے مشاعرہ میں چار چاند لگادیئے۔ واضح ہو کہ یہ مشاعرہ ۳۱/مارچ ۲۰۲۵ء کو سہ پہر پانچ بجے اور یکم اپریل کو دوپہر ڈھائی بجے ٹیلی کاسٹ کیا گیا۔

☆☆☆

☆☆☆☆

پربھنی میں سہ ماہی 'عکس ادب' کے خصوصی گوشہ

منتخب شعرائے مرہٹواڑہ کا رسم اجراء و محفل مشاعرہ کا کامیاب انعقاد

پربھنی۔ ۸/مارچ (محمد یونس انور) پربھنی کے معروف شاعر و ادیب ڈاکٹر منیب حنفی اور جاوید انصاری کی کنوینرشپ میں گلشن صغریٰ پربھنی میں ایک باوقار تقریب میں سہ ماہی 'عکس ادب' کے خصوصی گوشہ منتخب شعرائے مرہٹواڑہ کا رسم اجراء و محفل مشاعرہ کا کامیاب انعقاد عمل میں آیا۔ تقریب کا آغاز خضر احمد خاں شرر کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ بعدازاں پربھنی کے کہنہ مشق شاعر شفیع احمد شفیع نے حمد باری تعالیٰ پیش کی اور نعت پاک کا نذرانہ نوجوان شاعر مصعب الرحمٰن نے اپنی مسحور کن آواز میں پیش کر کے ماحول کو روح پرور بنادیا۔ بعدازاں صدر اجلاس پربھنی کے معروف و بزرگ شاعر عبدالواحد جاذب اور دیگر مہمانان خصوصی ڈاکٹر یوسف صابر مدیر اعلیٰ سہ ماہی عکس ادب، پروفیسر ڈاکٹر سید نورالامین، صحافی محمد یونس انور کا کنوینر مشاعرہ ڈاکٹر منیب حنفی اور معاون کنوینر مشاعرہ جاوید انصاری نے شال پوشی اور گلپوشی کر کے شایان شان استقبال کیا۔ بعدازاں سہ ماہی عکس ادب کے خصوصی گوشہ منتخب شعراء مرہٹواڑہ کا رسم اجراء صدر مشاعرہ عبدالواحد جاذب اور مہمانان خصوصی کے ہاتھوں ہوا۔ بعدازاں ناظم مشاعرہ ارشاد ضیاء اور دیگر شعراء کرام شفیع احمد شفیع، خضر احمد خان شرر، طٰہٰ صدیقی، رضی الدین رضی، مصعب الرحمٰن، مہمان شاعر طاہر حسین طاہر (ناندیڑ)، احتشام صفی، طالب ہاشمی، سعید پاشاہ و دیگر کا گل پیش کر کے استقبال کیا گیا۔ بعدازاں ناظم مشاعرہ ارشاد ضیاء نے میزبان شاعر رضی الدین رضی کو دعوت سخن دے کر مشاعرہ کے دور کا آغاز کیا۔ طٰہٰ صدیقی، انصاری جاوید، مصعب الرحمٰن نے اپنے منفرد کلام سے سامعین کو محظوظ کر کے داد حاصل کی۔ بعدازاں ڈاکٹر حنفی، طاہر حسین طاہر، خضر احمد خان شرر نے اپنی مترنم آواز میں عمدہ کلام سنا کر مشاعرہ کو زعفران زار بنادیا اور خوب داد و تحسین حاصل کی۔ بعدازاں مشاعرہ صدر مدرس جمیل رنگیز نے اپنے منفرد لب ولہجہ و مترنم آواز میں عمدہ کلام سنا کر مشاعرہ کے ماحول کو گرمادیا۔ بعدازاں محفل مشاعرہ میں سہ ماہی عکس ادب کے گوشہ مرہٹواڑہ کے رسم اجراء پر ڈاکٹر پروفیسر نورالامین، صحافی محمد یونس انور نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور ڈاکٹر یوسف صابر کی ادبی خدمات کو سراہا۔

☆☆☆

مولانا آزاد کالج میں NCERT نئی دہلی کی جانب سے ورکشاپ

اورنگ آباد کے مولانا آزاد کالج (ڈاکٹر رفیق زکریا کیمپس) میں NCERT نئی دہلی کی جانب سے ڈاکٹر چمن آراء کی قیادت میں Development of Resource Meterial in Urdu عنوان کے تحت ۱۳؍جنوری تا ۱۷؍جنوری ۲۰۲۵ء ورکشاپ عمل میں آیا۔اس ورکشاپ میں ڈاکٹر چمن آراء اوران کی ٹیم کے علاوہ کالج کے پرنسپل ڈاکٹر مظہر احمد فاروقی، ڈاکٹر کیرتی مالنی جاولے، صدر شعبہ اردو ڈاکٹر قاضی نوید صدیقی، ڈاکٹر یوسف صابؔر، ڈاکٹر یاسمین صدیقی، ڈاکٹر فیاض فاروقی و دیگر متعدد پروفیسرس نے حصہ لیا۔ پانچ دن کے اس ورکشاپ میں آخری دن تمام شرکاء کو سرٹیفکیٹس سے نوازا گیا۔

☆☆☆

پربھنی میں الطاف اقبال کے دولت کدہ پر مشاعرہ کا اہتمام

پربھنی۔۱۳؍جنوری بروز سنیچر شب ۹ بجے الطاف اقبال کے دولت کدے (مدینہ پاٹی) پربھنی میں بضمن جشن شادی شیخ بلال ولد شیخ اقبال ایک مشاعرہ کا انعقاد کیا گیا، جس کی مسند صدارت پر کہنہ مشق شاعر عبدالرحیم مضطر جلوہ افروز تھے۔ مشاعرے کا پہلا دور نعتیہ کلام کا رہا، سبھی شعراء نے نعتیہ کلام پیش کیا اور دوسرا دور دیگر شعری اصناف سخن پر مشتمل رہا۔ نظامت کے فرائض ارشاد ضیاء نے عمدہ طریقے سے انجام دیئے۔ مشاعرہ کا آغاز شفیع احمد شفیع کی حمد پاک سے ہوا، جن شعراء نے سامعین کو اپنے کلام سے محظوظ فرمایا ان میں عبدالرحیم مضطر، شفیع احمد شفیع، عبدالواحد جاذب، حبیب ہاشمی وحید اسلم، سیفی اعظمی سیف اورالطاف اقبال کے نام شامل ہیں۔ سبھی شعراء کے کلام کو پسند کیا گیا۔ مشاعرہ کو اپنی شرکت سے کامیاب کرنے میں جن باذوق اشخاص کا اہم کردار رہا، ان میں بالخصوص سلیم الدین، شیخ اقبال، سعید پاشا، شیخ مستقیم، جابر چاؤش مہدی، شیخ جاوید، شیخ ملک، شہباز پٹیل، شیخ ثاقب، شیخ مجاہد اور شیخ اسد کے نام شامل ہیں۔ رات دیر گئے اقبال کے اظہار تشکر پر مشاعرہ کا اختتام عمل میں آیا۔

شعری مجموعہ ''سراب'' کی رسم اجرائی

اورنگ آباد کے معروف شاعر احمد اورنگ آبادی کے شعری مجموعہ ''سراب'' کا بتاریخ ۸؍فروری ۲۰۲۵ء بمقام عالم گیر ہال، بیت الیتیم اورنگ آباد میں اجراء عمل میں آیا۔ اِس موقع پر ڈاکٹر یوسف صابؔر اور ڈاکٹر سلیم نواز جعفر آبادی نے احمد اورنگ آبادی کو پھولوں کا گلدستہ وشال پیش کیا۔

سہ ماہی 'اسباق' پونے کے دفتر میں اہل علم و دانش کی ادبی نشست

پونے (محسن رضا ضیائی) ۱۹؍فروری بروز بدھ بوقت دوپہر ملک کے معروف ادبی رسالہ سہ ماہی 'اسباق' کے دفتر میں اہل علم و دانش کی ایک علمی و ادبی نشست کا انعقاد عمل میں آیا، جس میں خاص طور سے سہ ماہی 'اسباق' کے مدیر نذیر فتح پوری، ڈاکٹر ادریس احمد اور معروف صحافی و قلم کار مولانا محسن رضا ضیائی نے اردو زبان و ادب کے فروغ و ارتقاء کے اہم اور حساس موضوع پر اظہارِ خیال کیا۔ اِس نشست میں اردو کی موجودہ صورتحال اور اس کو درپیش خطرات پر روشنی ڈالی گئی۔ نذیر فتح پوری صاحب نے غیر مسلم شعراء کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ایک زمانہ میں چمن اردو کی آبیاری کے لئے غیر مسلم شعراء نے بھی اپنا خونِ جگر نچھاور کر دیا تھا اور اپنی اردو شاعری کو سرسبز و شاداب کیا تھا۔ جن میں فراقؔ، مہندر سنگھ بیدی سحرؔ، راجندر سنگھ بیدی، گوپی چند نارنگ، جوگندر پال، کرشن چندر، رامانند ساگر، بلراج کومل، پنڈت برج نرائن دتاتریہ کیفی، خار دہلوی، گوپی ناتھ امن و دیگر متعدد غیر مسلم شعراء شامل تھے۔ دیگر شرکاء نے بھی اپنے زرین خیالات کا اظہار کیا اور نشست کو کامیاب بنایا۔

خلوصِ عکسِ ادب

جناب ڈاکٹر یوسف صابر صاحب ایڈیٹر سہ ماہی عکس ادب اورنگ آباد۔السلام علیکم امید ہے کہ آپ اچھے ہوں گے۔آج آپ کا ارسال کیا ہوا پارسل دستیاب ہوا۔جس میں عکس ادب کے 13 شمارے ہیں۔دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔شمارے کے تمام مشمولات ایک سے بڑھ ایک ہیں۔مغزادب، مضامین و انٹرویو، غزلیں، رباعیات، قطعہ، افسانچے، اور خاکچے، خاص طور پر گوشۂ فرید احمد نہری سرورق رنگین دیدہ زیب و جاذب نظر ہے۔بہت ہی محنت ولگن سے اسے سجایا اور سنوارا گیا ہے۔تمام مضامین خوب سے خوب تر ہیں آپ کا انتخاب کمال کا ہے۔آپ نے اس گوشہ کو دستاویزی حیثیت کا حامل بنادیا ہے۔یہ سب آپ کی مدیرانہ صلاحیتوں کا مظہر ہے تصاویر کا انتخاب بھی بہت خوب ہے۔غلام ثاقب، ڈاکٹر مسرت فردوس، ڈاکٹر عالیہ کوثر، اسلم مرزا کے مضامین کافی معلومات و مواد سے بھرپور ہیں۔آپ کی توشیحی نظم، مرزا ندیم کا منظوم خاکچہ بہت خواب ہے۔سبھی قلمکاروں کو بہت بہت مبارک باد۔خاص طور پر ڈاکٹر یوسف صابر صاحب کو جنہوں نے اس گوشہ کو محنت شاقہ سے سنوارا ہے۔ان سے توقع ہے کہ وہ آئندہ بھی ایسے ہی خوب صورت گوشے شائع کرتے رہیں گے اور اردو زبان وادب کی بے لوث خدمت انجام دیتے رہیں گے۔عکس ادب کو ایک اعلیٰ معیاری رسالہ بنائیں گے۔میرے افسانچوں اور نظم کو عکس ادب میں شائع کرنے پر میں آپ کا ممنون ومشکور ہوں۔اورنگ آباد آنا ہوا تو آپ سے ضرور ملاقات کروں گا۔دعاؤں میں یاد رکھیں۔باقی سب ٹھیک ہے۔

ارشد صدیقی (بیڑ) 8999434891۔۱۹/اپریل ۲۰۲۵ء

☆

محترم مدیر اعلیٰ۔ڈاکٹر یوسف صابرؔ۔السلام علیکم

میرا پہلا شعری مجموعہ ''روشنی ہے مرے چراغوں میں'' عنقریب زیور طباعت سے آراستہ ہوکر منصۂ شہود پر آئے گا۔میرا یہ شعری مجموعہ ۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہے اور ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاوس، نئی دہلی سے شائع ہو رہا ہے۔بین الاقوامی شہرت یافتہ شاعر محترم ڈاکٹر طارق قمر صاحب (سینئر ایسوسی ایٹ ایڈیٹر، نیوز ۱۸ لکھنؤ، یوپی) اور مقبول ومعروف ادیب اور قومی شاعر محترم شمس تبریزی صاحب (سابق ایڈیشنل ڈائریکٹر، ہریانہ اردو اکیڈمی، حکومت ہریانہ) نے مجھ خاکسار کی شعر گوئی پر خامہ فرسائی فرمائی ہے جو اس شعری مجموعہ میں شامل ہے۔

یسین انصاری (اٹاوہ) 9690433139/۱۵/اپریل ۲۰۲۵ء

بقیہ: عکسِ ادب: ڈاکٹر یوسف صابرؔ کی ادبی صحافت کا آئینہ

پی ایچ ڈی میں سب سے اہم کام تحقیق کی حد مقرر کرنا ہوتا ہے۔پی ایچ ڈی کے عنوان ہی تحقیق کی حد بھی مقرر کرتے ہیں اس لئے انتہائی غور وفکر اور ایکسپرٹ کے مشوروں کے بعد ہی ریسرچ اسکالر کو پی ایچ ڈی کا عنوان فائنل کرنا چاہئے۔پی ایچ ڈی کے عنوان کے سلیکشن کے بعد اس میں آگے چل کر کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔عنوان کی اہمیت کا پتہ مقالہ تحریر کرتے وقت چلتا ہے، مواد کی عدم فراہمی اور عنوان کی وجہ سے مقالے کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی وسعت ریسرچ اسکالر کا حوصلہ پست کرسکتی ہے اس لئے اچھی طرح مطمئن ہونے کے بعد ہی پی ایچ ڈی کا عنوان فائنل کرنا چاہئے۔

یوسف صابر کے اس اداریئے سے پی ایچ ڈی کرنے والے امیدواروں کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور انہیں محتاط رویہ اپنانے کا شعور بھی حاصل ہوتا ہے۔اسی طرح یوسف صابر کی ادبی صحافت منفرد نظر آتی ہے جو اُن کے منفرد طرزِ تحریر کی آئینہ دار ہے۔آپ ہر اداریئے میں مختلف ادبی مسائل پر بھی گفتگو کرتے ہیں اور علمی امور پر بھی حصولِ علم کے تعلق سے اپنی آرا پیش کیا کرتے ہیں۔اگر یوسف صابر کے تمام اداریوں کو نقل وجمع کر کے کتابی شکل دی جائے تو وہ بھی ایک بڑا مدلل تحقیقی عمل ثابت ہوگا جس سے نو واردانِ بساطِ ادب بھی مستفیض ہوں گے۔میں ڈاکٹر یوسف صابر کی علم پروری اور اداریہ نویسی کی قدر کرتے ہوئے اُن کے تئیں اپنی نیک خواہشات کا اظہار کرتا ہوں۔اللہ تعالیٰ اُن کے ذوقِ ادب وصحافت کو سلامت رکھے۔

بقیہ: 'سلگتے احساس' کا شاعر: مشتاق دربھنگوی

بھائی مشتاق نے لکھا ہے ''سلگتے احساس'' فکر وفن کا یہ نتیجہ ہے ''سلگتے احساس''
ہاں وہی ''گوش بر آواز'' ہے جن کی تالیف شعری مجموعہ اُنہی کا ہے ''سلگتے احساس''

محمد وزیر عالم (رکسول، مشرقی چمپارن)

زندگی کا کارواں بھی نرالا ہے۔اس راہ سے نہ جانے کتنے مسافر گزر گئے اور کتنے ہی اس راہ پر گامزن ہیں اور کتنے اس راہ پر گامزن ہوتے رہیں گے۔لیکن یہ بات بھی فراموش نہیں کی جاسکتی کہ اللہ نے ہمیں اشرف المخلوقات میں شامل کیا ہے۔کچھ تو بات ہے کہ جس کے سبب ہمیں اس کائنات کی سب سے اعلیٰ مخلوق قرار دیا گیا۔اور نہ صرف اعلیٰ بلکہ ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل کیا گیا۔لہٰذا ہم پر یہ فرض ہے کہ ہم اس حق کو ادا کریں جس کی قرضدار ہماری زندگی ہے۔جیسے کسی کی دل آزاری نہ کریں، خوشیاں بانٹیں اور کچھ ایسا کام کر جائیں جو آنے والی نسلوں کے لئے سودمند ثابت ہو۔ایسے ہی چند اہم شخصیات میں ایک معتبر نام مشتاق دربھنگوی کا ہے۔ادبی دنیا میں آپ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔آپ کا عمل ایسا ہے کہ جیسے آپ نے زندگی کے مقصد کو پالیا ہو۔

Quaterly Aurangabad
AKS-E-ADAB (Urdu)
email- akseadab@gmail.com

January to March 2025
MAHURD02321/13/1/2012-TC-Declaration Date : 21-09-2012
www.aksadaburdu.com

ISSN 2320-6519
Volume 14 Issue 50
U.G.C. Approved No.42266 (Ex.)

Publisher, Editor & Owner Dr. Yousuf Khan Jabbar Khan (Dr. Yousuf Sabir), Printed at Noorani Press, Mirza Ghalib Road, Near Juna Faran Hospital, Malegaon-324203, Dist. Nasik (MS) and published at P.No.174, S.No.201, Savera Park, Behind Ibrahim Masjid, Jatwada road, Harsul, Aurangabad-431008 (MS)

Quaterly Aurangabad
AKS-E-ADAB (Urdu)
email- akseadab@gmail.com

January to March 2025
MAHURD02321/13/1/2012-TC-Declaration Date : 21-09-2012
www.aksadaburdu.com

ISSN 2320-6519
Volume 14 Issue 50
U.G.C. Approved No.42266 (Ex.)

اپنی انفرادی شناخت بنائے ہوئے پچاسویں (گولڈن جبلی) شمارے کی اشاعت پر "عکس ادب" سہ ماہی اورنگ آباد کے مدیر اعلیٰ
ڈاکٹر یوسف صابر اور خصوصی گوشہ کی اشاعت پر ڈاکٹر دوست محمد خان وتمام اراکین، قلمکاروں وقارئین کو دل کی عمیق گہرائیوں سے مبارکباد

منجانب

(Reg.No.A-30036)
ڈاکٹر آسیہ شیخ
[روٹ کینل اسپیشلسٹ (گھاٹی)]
Cell : 9113552091
B.D.S., PG Dip.(Endodontics)
Assistant Professor at SSDC, Bangalore
دانتوں کا دواخانہ
ایڈوانسڈ ڈینٹل کیئر کلینک
گرین اسپیس ریسیڈینسی، روبرو نصیب مسجد، MIT کالج روڈ، ستارہ پریسر، چھترپتی سنبھاجی نگر

Publisher, Editor & Owner Dr. Yousuf Khan Jabbar Khan (Dr. Yousuf Sabir), Printed at Noorani Press, Mirza Ghalib Road, Near Juna Faran Hospital, Malegaon-324203, Dist. Nasik (MS) and published at P.No.174, S.No.201, Savera Park, Behind Ibrahim Masjid, Jatwada road, Harsul, Aurangabad-431008 (MS)